نوائے سروش

مرتبہ میرزا حسن نظامی سلمہٗ تعالیٰ

شمارہ دوئم

www.agharang.org

نوائے سروش

مرتّبہ میرزا احسن نظامی سلمہٗ تعالیٰ

شمارہ دوئم

بزمِ اختیّاریہ، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	نوائے سروش
مرتّبہ	میرزا حسن نظامی سلمہٗ تعالیٰ
شمارہ	دوئم
سال	اپریل 2019
پرنٹرز	وجیہ پرنٹرز (کریم آباد، کراچی)
	0343-3068768, 0335-3555761
	alibinfarhan.pk@gmail.com
ای میل	info@agharang.org
ویب سائٹ	www.agharang.org

بزم اختیاریہ، کراچی

عنوان

نمبر شمار	فہرست		صفحہ نمبر
۱	ابتدائیہ		
۲	ساتواں در	میرزا احسن نظامی	۱
۳	مزار شریف کی تعمیر نو	عاصم میرزا	۱۰
۴	تازہ ہوا بہار کی دل کا ملال لے گئی	شکیل اسلم	۱۷
۵	یادگار لمحات	رفیق اللہ انصاری	۲۰
۶	ملفوظات مبارک	سلیم اختیاری (جبل پور انڈیا)	۲۸
۷	کچھ قیمتی یادیں	خجستہ احسن	۳۱
۸	خواہش	ندیم انصاری	۳۳
۹	جام جمشید	توصیف انصاری	۳۵
۱۰	وگرنہ من	شیزا عاصم میرزا	۳۹
۱۱	کہروا	محمد شریف اختیاری	۴۲

ابتدائیہ

بزمِ اختیاریہ کے تحت نکالے جانے والا سالانہ مجلّہ ''نوائے سروش'' کا دوسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اور اس مجلّہ میں بھی محبّین نے اپنے دل کھول کر رکھ دیے ہیں۔ سرکارِ اعلیٰ حق آگاہ عارف باللہ حضرت شاہ میرزا اختیار حسینؒ کے پانچویں عُرسِ مبارک کے موقع سے شروع اس کاوش کو مزید فروغ مل رہا ہے۔ محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ محبوب کی ہر ادا سے محبت کی جائے۔ ہم سب کی محبت ایک ایسی ہستی سے ہے جو ہمہ جہت اور شجرِ سایہ دار کی مانند ہماری زندگی کے ہر پہلو میں شامل ہے۔ اسی تقاضۂ محبت کا شاخسانہ یہ مجلّہ ہے۔ دراصل یہ ایک گلدستہ ہے جہاں مختلف النوع مضامین سرکارِ اعلیٰ کو مرکزیت دیتے ہوئے رنگارنگ پھولوں کی مانند مہک رہے ہیں۔ یہ وہ مجلّہ ہے کہ جس میں تمام محبت کرنے والے اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے اُن کی موہنی شخصیت کے کسی نہ کسی پہلو کو موتیوں کی مانند نذر کرتے ہیں۔ ان تمام موتیوں کو پرو کر ایک مالا تیار کی جاتی ہے، جو ''نوائے سروش'' کی صورت میں ڈھل کر آپ سب تک پہنچتی ہے۔ اس سے ہر وہ شخص حِظ اُٹھاتا ہے جس کو عشقِ حقیقی جیسے جذبے سے کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی طور پر آشنائی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان محبتوں کو قائم و دائم رکھے اور ان میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔

''نوائے سروش'' کا ایک اور خاص مقصد حضرت پیر و مرشدؒ کی تعلیمات آسان اور لطیف پیرائے میں عشق کے متوالوں تک پہنچانا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ سرکارِ اعلیٰ سے متعلق مضامین ''ذکرِ یار'' کے ضمن میں آتے ہیں، اور اس حیثیت سے یہ مضامین متعلقین و محبّین کے لیئے بلاشُبہ روحانی فیوض کا خزانہ ہیں۔ یوں تو اس دریائے فیض و کرم کا اک گھونٹ ہی ہم سالکین کے لیئے بہت ہے پر حضرت مدظلہٗ تعالیٰ کی نظرِ کرم و عنایات ہی ہیں کہ

عطا دیکھ کر بڑھ گئی ہے طلب بھی

دیے جا رہے ہیں، لیئے جا رہا ہوں۔

آخر میں آپ تمام لوگوں سے گزارش ہے کہ آئندہ کے لیئے اپنے خیالات اور احساسات کو قلمبند کر کے اس مجلّہ کی رونق میں اضافہ کیجیئے ۔ ہمارا یہ ماننا ہے کہ ہر شخص میں ایک لکھاری پوشیدہ ہوتا ہے اور کسی تحریک کا منتظر ہوتا ہے۔ ہم سالکینِ دربارِ اختیاریہ کے لیئے سرکارِ اعلیٰؒ کی ذاتِ اقدس سے بڑھ کر اور بہتر کیا تحریک ہوسکتی ہے جو خود بھی اعلیٰ پائے کے مصنّف تھے۔

آپ کی آراء بھی ہمارے لیئے حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔

دُعا ہے کہ یہ کاوش خُدائے بزرگ و برتر کے عطا کردہ اور شافعِ محشرؐ کی روحانیت کے پروردہ ولی اللہ، جسے ہم نے اس عالمِ کون و مکان میں ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازیؒ کی شکل میں پایا، کے کرم سے جاری و ساری رہے۔ (آمین) ادارہ

''ساتواں در''

از۔میرزا حسن نظامی

اول اول نسبتاً تیز رفتاری اور پھر کچھ آہستہ روی سے خانۂ کعبہ کے گرد چھ طواف مکمل کرتے ہوئے ہم نے ساتویں طواف کی ابتداء کی۔ ماہ وسال کی لڑی میں تسبیح کے دانوں کی مانند پروئے ہوئے سات دنوں کی دائرہ نُما حرکت، ایک گردشِ مسلسل کی صورت زندگی کا احاطہ کیئے رہتی ہے۔ جہاں ہر لمحہ کسی نہ کسی دن کی چھاپ ضرور لیئے ہوتا ہے، لیکن پھر بھی ہر آن اس میں تنوع رہتا ہے یعنی کسی بھی ساعت کو تکرار نہیں!

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

'' کُلَّ یومَ ھُوَ فی الشّان ''۔ ''ہر آن اُس کی نئی شان ہے'' (سورۃ الرحمٰن)

اِنہیں زندگی کی ساعتوں میں سے ایک ساعتِ سعید ہمیں حرم شریف لے آئی اور ہم ایک عجیب حیران کُن کیفیت سے دوچار ہیں کہ ہمارے سامنے خانۂ خُدا، قلبِ مجسّم اور عرشِ متمکن کی صورت عیاں ہے۔ جہاں صرف نُور و خُوشبو کی عملداری ہے۔ چہرۂ حقیقی جیسے غلافِ کعبہ کے پردہ میں پوشیدہ ہے کہ ہماری ظاہری آنکھیں، اُس جلوۂ چکاچوند کی خیرگی کی تاب نہیں لاسکتیں۔ لیکن پھر بھی اُس کے جمال کی نُورانیت چھپائے نہیں چھپتی کہ جیسے چودھویں کے چاند نے بادلوں کی ہلکی سی چادر تان لی ہو۔ اس خلوتِ حُسن کی کشش ایسی ہے کہ طواف اُن دیوانہ وار رقص کرتے ہُوئے پروانوں کا استعارہ معلوم ہوتا ہے، جو رازِ عشق سے پردہ اُٹھائے، غلافِ کعبہ میں پوشیدہ جمالِ حق کی ضیاء کے اسیر ہوں۔

ساتواں طواف، ہفت آسماں کی علامت ہے۔ یعنی وہ مقام جو شش جہت سے گزرنے کے بعد، باطنی جہت کا پتہ دیتا ہے۔ جہاں تجلّیاتِ صفاتی سے تجلّیاتِ ذاتی کا پتہ ملتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

'' بیشک تمہارا رب اللہ ہے۔ جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہُوا۔'' (۵۴۔۷)

یہاں 'یوم' سے مراد تجلّیِ حق یا نُورِ حق ہے کہ 'یوم' کو اگر 'دن' کے معنوں میں لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ دن کی موجودگی چونکہ سورج کی مرہونِ منّت ہے اور تخلیق سے قبل، بہر حال سورج مفقود تھا۔ تو دن کیسے تشکیل پا سکتا تھا۔ 'تجلّیِ حق' وہ ضیاء وہ نور ہے، جو ذاتِ احد کے اظہار کی صورت ہے۔ حدیثِ قُدسی ہے:

'' تھا میں چھُپا ہوا خزانہ، مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں، تو خلق کیا کائنات کو۔''

اور یُوں تجلیات کا ظہور ہُوا۔ ان تجلیاتِ حق میں اکمل ترین درجہ حقیقتِ محمدی کا ہے۔ پھر 'یوم بہ یوم' درجہ بہ درجہ' تجلیات ظہور پذیر ہُوئیں اور وجودِ انسانی پر منتج ہُوئیں۔ یُوں اُس کے سر پہ خلافتِ الٰہیہ کا تاج رکھا گیا، اور انہیں تجلیات کی حضرتِ انسان سے حقیقتِ انسانیہ تک مراجعت 'معراج' کہلائی ہے۔ ہفت آسماں، انسانی عُروج کا استعارہ ہے۔ خانۂ کعبہ، انہیں معنوں میں خدا کا گھر ہے کہ جس کے گرد سات طواف بندے کو خُدا تک پہنچاتے ہیں۔ ہر طواف، ایک بلند تر آسماں میں داخل ہونے والے در کی صورت ظاہر ہوتا ہے اور انسانی رُوح خانۂ کعبہ کے گرد گھومتے ہُوئے اِک وجد کے عالم میں رقص کرتے ہُوئے اپنے عُروجی سفر پہ روانہ ہوتی ہے۔ طواف، دراصل رقص کی ہی ایک شکل ہے۔ جب شعلۂ افروز جیسی حُسنِ حقیقی کی لپک، عاشق کو پروانے جیسی بیقراری عطا کرتی ہے۔ اور وہ اپنا وجود یعنی تن من دھن، حُسنِ حقیقی کی شمع فروزاں پہ دیوانہ وار نثار کر دیتا ہے۔ تب وہاں صرف جھومتا رقص کرتا شعلہ ہی رہ جاتا ہے۔

؎ لاگ کی آگ لگتے ہی پنبہ نمط کا جل گیا
رختِ وجود و جان و تن، کچھ نہ بچا جو ہو سو ہو۔

(حضرت نیاز بے نیازؒ)

عشق کی یہ کیفیت کسی صاحبِ نظر کی صحبت میں بیٹھ کر ہی حاصل ہوتی ہے۔ دراصل کسی بھی منزل پہ پہنچنے کے لیئے کوئی رہبر لازمی ہوتا ہے۔

تمثیلی اندازِ بیاں اگر اِختیار کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یُوں تو موسیقی کے سات سُر انسان کے اندر موجود رہتے ہیں۔ لیکن اُن تک صحیح معنوں میں رسائی کسی موسیقی کے اُستاد کے توسّط سے ہی ممکن ہو پاتی ہے۔ اُستاد کی توجہ سے ہی سات سُروں سے شناسائی کا احساس جاگتا ہے اور علمِ موسیقی کا طالب اپنا گیت گانے کے قابل ہو پاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب تک سامنے آئینہ موجود نہ ہوگا، اپنا دیدار ممکن نہیں!! صاحبِ نظر کی ذاتِ گرامی، طالب کے لیئے ایسے ہی آئینے کی حیثیت رکھتی ہے، جہاں وہ خود سے متعارف ہوتا ہے۔ اُس در کو پاتا ہے، جہاں سے منزل کا راستہ مِلتا ہے۔

ان دنوں ہمارے حضرت صاحبؒ کے ساتویں عُرس شریف کا اہتمام کیا گیا ہے۔ حق آگاہ، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اِختیار حسینؒ کو اس عالمِ رنگ وبُو سے عالمِ حقیقی کی جانب مراجعت فرمائے ہُوئے سات سال ہونے کو آئے۔ لیکن آپؒ کی موجودگی کا ایک گہرا احساس ہم تمام متوسّلین و متعلقین کی زندگی کا احاطہ کیے ہُوئے ہے۔ جیسے آپؒ جا کر بھی نہیں گئے، آپؒ کی موجودگی کی خُوشبو کا احساس حیاتِ ابدی کی مانند ہم پہ طاری ہے۔ ہم تمام سالکین، جو حضرت صاحبؒ سے بیعت ہیں، اُن کی اکثریت اس ساعتِ سعید میں آپؒ کے دربار میں حاضر ہے کہ اُن فیوض و برکات سے مستفید ہو سکے، جو خصوصاً آپؒ کے وصال کی مناسبت سے جاری وساری ہیں۔

ست رنگی دھنک آسمان کی پیشانی پر موسمِ باراں کے دوران اکثر جھومر کی مانند سجی دکھائی دیتی ہے۔ اس کا ظہور، اس لمحۂ اتّصال کا نتیجہ ہوتا ہے، جب جگمگاتی کرنوں کا برکھا رُت سے ملاپ ہوتا ہے، اور پھر ہر نظر اس نظارے کے طفیل اک اندرونی رقص کے احساس میں گُم ہو جاتی ہے۔ آسماں پہ درخشاں ست رنگی دھنک، آب ونُور کے اُس وصال کی علامت ہوتی ہے، جہاں اُن میں محض قاب وقوسین کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر اختیار حسین کیفؔ نیازیؒ کی اس عالمِ اسباب میں حیات ایسی ہی دھنک کی مانند مختلف رنگوں سے سجی ہوئی تھی۔ آپؒ کی زندگی کی جس جہت پہ نظر ڈالیں وہ احسن ترین نظر آتی ہے۔ مختصراً کچھ جہات کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ صاحبِ حال بزرگ:۔

ظاہر ہے آپؒ نے خود سے کبھی اس بات کا اعلان نہ کیا، بلکہ ہمیشہ اخفاء سے کام لیا۔ آپؒ ایک مستند روحانی سلسلے سے وابستہ تھے۔

فاتحہ واعراس وغیرہ میں آپؒ کی موجودگی سے جو اثر اور کیف حاضرین محسوس کرتے تھے، وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ایک صاحبِ حال بزرگ کی اس سے بڑی پہچان کیا ہوسکتی ہے کہ وہ روحانیت کے سورج کی مانند طلوع ہو اور اُس کی کرنیں سوئے ہوئے قلوب کو جگا دیں اور انسانی روح جیسے بیدار ہو جائے۔ نتیجۃً سالکین کی یہ کیفیت ہوتی کہ آپؒ کی محبت میں بے چین رہتے۔

۲۔ صاحبِ دل طبیب:۔

آپؒ کا مشفقانہ مزاج اور نرم لہجہ مریض کے لیئے علاج سے پہلے ہی دوا کا کام کرتا تھا۔ پھر فیس ایسی مناسب کہ کئی موقعوں پر آپؒ کے ساتھی ڈاکٹروں نے دبے الفاظ اعتراض بھی کیا۔ آپؒ صرف مسکرا کے خاموش ہو جاتے۔ اور سونے پہ سہاگہ کہ اپنی جیبِ خاص سے غریب مریضوں کی مدد بھی فرمایا کرتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ خدمتِ خلق و کنبہ پروری کے لیئے شام کو پرائیویٹ پریکٹس کے ساتھ ساتھ نہ صرف آپؒ صبح میونسپل ڈسپنسری میں بیٹھا کرتے بلکہ دوپہر کو ایگل پین بنانے والی کمپنی ''آزاد فرینڈز'' میں بھی دو گھنٹے کیلیئے تشریف لے جاتے۔ یعنی آرام آپؒ کو برائے نام ہی مِل پاتا۔

۳۔ مرشدِ روحانی:۔

سالک کی روحانیت میں دلچسپی دیکھتے ہُوئے، اُسے مزید تعلیم دیتے۔ ویسے تو آپؒ کی ہر تصنیف روحانی تعلیمات سے معمور ہے، پھر بھی سالکین کی خصوصی تربیت کیلیئے آپؒ ذاتی توجہ دیتے۔ ایک دفعہ آپؒ کے پیرومرشدؒ کے عُرس کے دوران سماع میں حضرت امیر خسروؒ کا کلام سنایا جارہا تھا:

'' خدا خود میرِ مجلس بُود، اندر لامکاں خسرو محمدؐ شمعِ محفل بُود، شب جائے کہ من بُودم۔''

آپؒ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ کلام کسی وقت مجھ سے سمجھ لینا۔ پھر آپؒ نے نہ صرف اس کلام میں پنہاں تعلیمات بلکہ اس سے متعلق شغل ومراقبہ بھی تعلیم کیا۔

۴۔ آپؒ بحیثیت مصنّف:۔

آپؒ نے گیارہ کتابیں معہ ایک دیوان کے تحریر فرمائیں۔ ان تمام تصانیف کا مرکزی خیال تصوف ہے اور تمام کی تمام پرتوِ توحید سے منوّر ہیں۔ اپنی رائے کا اظہار کرنے سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کی تصانیف سے ہی اقتباسات پیش کردیئے جائیں، جیسا کی فارسی مقولہ ہے:

''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار می گوید''۔ (یعنی مُشک کا تعارف خود اُس کی مہک ہے نہ کہ اس ضمن میں عطّار کا بیان۔)

اقتباس (۱)

''اگر بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیۂ کا امتیاز نہیں کیا جائے تو سلف سے لے کر خلف تک کوئی فرد ایسا نہیں ملے گا جس کا کوئی لمحہ بھی بدعت سے خالی نظر آئے۔ اسلام قیامت تک کے لیئے مکمل دین ہے۔ اسلام میں لچک ہے پھیلاؤ ہے، سختی اور درشتی نہیں۔ یہ انسان کے لیئے ہے، انسانی معاشرہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور وقت کے لحاظ سے اس میں تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ اگر یہ نقطۂ نظر نہ رکھا جائے تو نعوذ باللہ صحابہؓ سے

لے کر آج تک کے مسلمان گمراہ قرار پاتے ہیں۔ اُمّتِ مسلمہ میں بڑے بڑے صاحب الرائے اور صاحبِ ایجاد گزرے ہیں اور ان لوگوں نے طرح طرح کی ایجادات کو رائج کیا تو کیا یہ سب بدعتی لوگ تھے؟ مزید برآں ایسی قوم ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کیونکر کھڑی ہوسکتی ہے جو ہر نئی چیز کو شک کی نظر سے دیکھتی ہو! '' (مزارات اور بدعت۔ صفحہ ۷)

اقتباس (۲)

''نعت کسی ایک صنفِ شاعری سے مخصوص نہیں۔ شاعروں نے نعت کے مضامین کو تقریباً تمام اصنافِ سخن میں قلمبند کیا ہے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، نظم، مسدّس، مخمس، مثنوی غرضیکہ ہر صنف میں نعت لکھی گئی ہے۔ حتیٰ کہ نثری نعت اور نثری نظم بھی نظر آتی ہے۔ ہندوستانی اثرات سے گیت، دوہے، راگ کی ھیئت اور انداز کو بھی نعت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن غزل کی ھیئت کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزل کا اسلوب ہمارے یہاں اب بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ میلاد کی محفلوں، قوالی اور محافلِ سماع میں غزل کی ھیئت زیادہ متاثر کن ہوتی ہے اور ترنم کے لیئے غزل کا آہنگ موزوں ہوتا ہے۔'' (مضامینِ کیف۔ صفحہ ۱۳۷)

اقتباس (۳)

''شاعری ہو یا موسیقی یا دیگر فنونِ لطیفہ، جیسا کہ کہا گیا، ان سب کا تعلق جمالیاتی حِس اور وجدان سے ہے۔ وجدان کا ربط ذوقِ لطیف سے ہے۔ ایک خوبصورت پھول کو حسین پسِ منظر میں دیکھ کر یا چاند کی خنک روشنی کو ساحلِ سمندر پر دیکھ کر ہر شخص سرور و کیف حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ایک اچھا شعر یا خوبصورت نغمہ سُن کر ہر شخص اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق حظ حاصل کرتا ہے۔ یہ سب احساسات اس کے ذوقِ لطیف سے متعلق ہوتے ہیں۔ خوشبو کو ترازو میں نہیں تولا جاسکتا۔ حسن و جمال کی تحلیل یا اس کا تجزیہ ممکن نہیں۔ یہ سب محسوس کرنے کی چیزیں ہیں جن کا تعلق وجدان سے ہے۔'' (کیفیات۔ صفحہ ۲۳)

۵۔آپؒ بحیثیت شاعر:۔

آپؒ نے نہ صرف غزلیات بلکہ حمدیہ اشعار اور نعتیں بھی تحریر فرمائیں۔ساتھ ساتھ مناقب بھی آپؒ کے تحریر کردہ کلام میں ملتے ہیں۔ ہندی کلام بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ذیل میں آپؒ کے کچھ اشعار درج کیئے جاتے ہیں۔

؎ درِحضورؐ ہی پر رک گیا یہ دیکھ کر میں

کہ کعبہ آپ ہے قبلہ اسے بنائے ہوئے۔

؎ پا کر تمہیں نہ جانے کیوں اب ختم ہوگئی

عرصے سے گو کہ جستجو مجھ کو خدا کی تھی۔

؎ نظر کے سامنے تم بھی تھے اور کعبہ بھی

تھی کوئی بات جو قبلہ بنالیا تم کو۔

؎ ہر طرف رنگ دھنک کے سے بکھر جاتے ہیں

ہم جہاں دیکھتے ہیں، آپ نظر آتے ہیں۔

؎ جس پہ عاشق ہے مصوّر بھی وہ تصویر ہوں میں

اک حسین خواب کی پُر کیف تعبیر ہوں میں۔

ساری جوت تہاری لے لوں، باہر بھیتر سب ہوا اُجالا

تم بن جاؤ سورج پریتم، میں آنگن بن جاؤں۔

؎ رٹتے رٹتے شام مراری، خود ہی بھئی رے شام میں

کیف پیؤ میں ایسی سمائی، رہت بس ایک ہی نام رے

۶۔آپؒ بحیثیت موسیقی کے قدردان :۔

آپؒ کے والدِ گرامی اور پیرومرشد حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا مرتضیٰ حسینؒ کی منشاء کے مطابق موسیقی کی تعلیم دینے کے واسطے اُستاد گھر پہ آیا کرتے تھے۔کلاسیکی موسیقی کے ساتھ ساتھ آپؒ نے ہارمونیم اور ستار بجانے کی باقاعدہ تربیت حاصل کی۔نتیجۃً سُر اور تال سے ایسی گہری واقفیت ہو چلی تھی کہ دورانِ موسیقی اگر کوئی بے سُرا ہوتا تو آپؒ کی طبیعت پر گراں گذرتا ۔ایک دن بیٹھے بیٹھے آپؒ نے ہارمونیم منگوایا اور اُس پہ اپنی تحریر کی ہوئی غزل ،اپنی ہی بنائی ہوئی دُھن میں سُنائی، جو راگ بھیرویں میں تشکیل دی تھی۔ہم نے جب اس دُھن اور کلام پہ پسندیدگی کا اظہار کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ غزل اور اُس کی دُھن ساتھ ساتھ وارد ہوئے تھے۔اُسی مناسبت سے آپؒ قوالی میں بھی ایک خاص ذوق رکھتے، جہاں کلام کے ساتھ ساتھ موسیقی کو بھی بہت اہمیت دیتے۔

۷۔ایک اعلیٰ حیثیت کے حامل انسان:۔

انسان خلیفۃ اللہ کے منصب پہ فائز ہے۔اور اسی بناء پہ وہ فرشتوں کے لیئے لائقِ سجدہ ٹھہرا۔لیکن اُس مقام تک رسائی کیلیئے معرفتِ نفس لازمی ہے۔کوئلے اور ہیرے کی اصل ایک ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ایسے ہی دنیا میں ہر طرح کے انسان پائے جاتے ہیں جو اسفل السافلین سے لے کر اعلیٰ ترین تک پہنچتے ہیں۔ایسے ہی احسن و اعلیٰ ترین انسانوں کے لیئے میرؔ فرماتے ہیں

؎ مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں۔

حضرت صاحبؒ کی زیارت سے دل کو جیسے قرار آجاتا تھا۔آپؒ کے چہرۂ انور پہ ہر وقت نور برستا دکھائی دیتا تھا اور اس پہ مستزاد؛ آپؒ کی مسکراہٹ سوالی کے مسائل کی آگ کو جیسے بجھا سا دیتی تھی۔دُعا اور تعویذ طلب کرنے کی حاجت ہی نہیں رہ جاتی تھی۔آپؒ کی موجودگی سالک کے حق میں مجسّم دعا تھی۔غصّہ

جیسے آتا ہی نہیں تھا۔ سراسر شفقت تھے۔ آپؒ کی زندگی، گو کہ گوناگوں تلخ حقائق سے پُر تھی کہ ۱۴/۱۳ سال کی عمر میں آپؒ کے والد سفرِ آخرت پہ روانہ ہوگئے۔ پھر شریکِ حیات بھی خاصی کم عُمری میں داغِ مفارقت دے گئیں، لیکن اس کے باوجود آپؒ کے مزاج میں کسی بھی طرح کی تلخی نہ نظر آتی تھی۔

گو کہ آپؒ صوفی مرشد کی حیثیت پر فائز تھے، لیکن دنیاوی دلچسپیوں کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ یعنی آپؒ کسی بھی طرح زاہدِ خشک کے زمرے میں نہیں آتے تھے۔ فائن آرٹس کے ساتھ ساتھ کھیلوں کے بھی دلدادہ تھے۔ والی بال کے بہترین کھلاڑی تھے بلکہ میڈیکل کالج کی والی بال ٹیم میں شامل تھے۔ اسی طرح ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ اور مختلف ادبی رسائل و کتابوں کا آپؒ کے پاس اچھا ذخیرہ تھا۔ موسیقی کے متعلق پہلے ذکر آ چُکا ہے۔ غرض کہ جس زاویہ سے بھی آپؒ کو دیکھیں، ایک بہترین انسان کی صورت نظر آتی ہے جو دنیا میں مشغول رہتے ہُوئے، خدا سے غافل نہ رہا۔

فارسی کی مثل آپؒ پہ صد فیصد صادق آتی ہے:

"دل بہ یار، دست بہ کار۔"

''مزار شریف کی تعمیر نو''

از۔عاصم میرزا

سب سے پہلے مزارات کی اہمیت تمام سالکین ومعتقدینِ سلسلہ کو سمجھنا ضروری ہے۔مزار صرف ایک عمارت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک روحانی مرکز ہوتا ہے، جہاں صاحبِ مزار کا تصرف موجود رہتا ہے، اس کے علاوہ اس کی اہمیت ایک عوامی و روحانی اجتماع کی جگہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔مختلف فکر کے حامل لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں، لاکھوں لوگ لنگر سے مستفید ہوتے ہیں۔سب سے بڑھ کر زائرین کو روحانی فیض حاصل ہوتا ہے۔ یہاں میں حضرت پیر و مرشد ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازیؒ کی کتاب ''مزارات اور بدعت'' کی کچھ سطور کا حوالہ دینا چاہوں گا:۔

'' قبر اور مزار بظاہر تو ایک ہی چیز ہے، لیکن اصطلاحاً دونوں کے مابین تھوڑا امتیاز کیا جاتا ہے۔عام مسلمانوں کے مدفن کو 'قبر' اور خاصانِ خدا کے مدفن کو 'مزار' کہا جاتا ہے۔ یہ امتیاز انسان کے اپنے درجات کی بناء پر کیا جاتا ہے''۔ایک اور جگہ آپؒ فرماتے ہیں ''بُزرگوں کے مزارات کو ان کے اجسامِ مطہرہ سے ایک خاص نسبت ہوتی ہے، اس لیئے ان مزارات کو درجۂ احترام حاصل ہوتا ہے''۔

مزارات کی تعمیر ہمارے بزرگوں کی سنت رہی ہے، اور تمام معتقدین وسالکین کی کوشش رہتی ہے کہ ان کے مرشد کی آرام گاہ بے مثال ہو، حالانکہ بزرگوں کی شان بلند عمارات سے بالاتر ہوتی ہے۔ یہ تو ان سے نسبت رکھنے والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مرشد کا مرقد خوب سے خوب تر تعمیر کیا جا سکے۔ ہمارے سلسلے میں سب سے پہلے مثال حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ملتی ہے۔جس محبت اور عقیدت سے انہوں نے اپنے مرشد گرامی حضرت بابا فرید صاحبؒ کے مزار کی ایک ایک اینٹ خود رکھی وہ ایک مثال ہے۔ایسی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

سب سے بڑھ کر خود حضرت ڈاکٹر شاہ مرتضیٰ حسینؒ (ہمارے دادا حضورؒ) نے جس عشق اور والہانہ انداز

سے اپنے مرشد حضرت آغا صاحبؒ کی مزار کی تعمیر کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ مزار شریف جبلپور، انڈیا میں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے

یہ محبت اور عقیدت کی اعلیٰ مثال ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی زندگی میں جو بھی کمایا وہ سب مزار شریف کیلیئے وقف کر دیا۔ ساری زندگی خود کرائے کے مکان میں رہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر شاہ اختیار حسین میرزا کیفؔ نیازیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب جبلپور میں بجلی آئی تو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے سب سے پہلے کنکشن مزار شریف کیلیئے لیا مزار کی تعمیر کے لئے مختلف جگہوں سے بہترین تعمیراتی سامان منگوایا گیا۔ مزار کے کچھ منقش ٹائلز جرمنی سے منگوائے گئے تھے، اس کے علاوہ کاریگر خاص کر، مکرانہ راجھستان سے آئے تھے۔ مزار شریف میں کئی جگہ فیروزہ استعمال کیا گیا تھا۔ بلاشبہ یہ مزار اپنے مرشد سے محبت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ ۱۹۹۷ء کے زلزلے نے اس مزار کو خاصا نقصان پہنچایا۔ اس کو پھر نئے سرے سے ممبئی کے گھی والا خاندان نے سنگِ مرمر سے تعمیر کروایا۔

ہم لوگ تو بزرگوں کے پیروں کی خاک بھی نہیں۔ لیکن یہ روایت دیکھتے ہوئے، ہم سب کی بھی یہی کوشش رہی کہ ہم اپنے مرشد کو کسی طرح خراجِ عقیدت پیش کر سکیں۔ میں پھر اس بات کو دہرانا چاہوں گا کہ ولی اللہ کی شان نرالی ہوتی ہے، وہ کسی شاندار عمارت کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ کسی کے آنے جانے، حاضری دینے یا نہ دینے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ ہمارے حضرتؒ نے عرض کیا ہے کہ۔

کوئی آئے یا نہ آئے قبر پر میرے کبھی
عشق ہوگا فاتحہ خواں میرے مر جانے کے بعد

سب سے پہلے 2013 میں مزار شریف کی تعمیر شروع کی گئی، اور وہ عمارت 2014 میں مکمل ہوئی، لیکن کچھ وجوہات کی بناء پر مزار کی تعمیرِ نو کا فیصلہ کیا گیا، اور بھیا حضور کی مشاورت سے نئے سرے سے منصوبہ بندی کی گئی۔ سب سے بڑا مسئلہ تھا، اچھے معمار (آرکیٹیکٹ) کا ملنا جو کہ مزار کو صاحبِ مزار کے جلال و

جمال کی مطابقت سے تعمیر کر سکے۔ اسی تلاش میں ہم چلتے چلتے لاہور پہنچے، ای میل اور فون پر رابطہ ہوا اور بالآخر ہماری ملاقات کامل خان ممتاز سے ہوئی، جنہوں نے ہمیں صحیح معنوں میں مزارات کے تعمیراتی فلسفے سے روشناس کرایا اور ہمیں طرزِ تعمیر کی باریکیوں سے آگاہ کیا۔ کامل صاحب پاکستان کے بہت مشہور معمار ہیں اور انہیں اسلامی طرزِ تعمیر پر بلاشُبہ سند تصور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس جدید دور میں روایتی اور پرانی مغلیا دور کی تعمیرات کا احیا کیا ہے۔

وہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ کامل صاحب کے ساتھ ان کے فرزند تیمور خان ممتاز بھی ایک اعلیٰ شخصیت کے حامل ہیں، جو کہ خود بھی ایک معمار (آرکیٹکٹ) ہیں اور کامل صاحب کی مشاورت کرتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے اپنے بھی بہت سے تعمیراتی منصوبے ہیں۔ گُنبد کی ڈیزائننگ میں تیمور صاحب کو کمال حاصل ہے۔ کامل صاحب کے کچھ مشہور تعمیراتی منصوبوں کی تفصیل یہ ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس (کراچی)، بابا حسن دینؒ مزار (لاہور)، سلّی ٹاؤن مسجد (لاہور)، چالے شریف مزار اور مسجد (گجرات)، پاک ویگہ (گجرات) کی مسجد جو کہ پوری سفید سنگِ مرمر سے بن رہی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے گھر اور حویلیاں بھی بنائی ہیں، جس میں جسٹس ایس خواجہ، سینیٹر اعتزاز احسن اور عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کی حویلیاں قابل ذکر ہیں۔ کامل صاحب اپنی تعمیرات میں سیمنٹ اور لوہے کا استعمال نہیں کرتے بلکہ صدیوں پرانے تعیراتی مواد یعنی لال اینٹ اور چونا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

کامل صاحب سے جب مشاورت ہوئی تو بقول ان کے آپ نے میرے ہاتھ باندھ دیئے ہیں، کیونکہ نئے سرے سے عمارت تعمیر کرنا آسان ہوتا۔ لیکن ایک بنی بنائی عمارت میں کام کرنا انتہائی مشکل ہے کہ آپ اس کو کیسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالیں۔ بہت سی میٹنگز ہوئیں، پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ نئی عمارت پرانی پر اس طرح تعمیر کی جائے کہ یہ اسے پوری طرح سے ڈھانپ لے، لیکن جب تکنیکی طور پر دیکھا گیا

تو معمار اور انجینئرز نے یہ رائے دی کہ چونا اور سیمنٹ (کیوں کہ پرانی عمارت سیمنٹ سے تعمیر ہُوئی تھی) کا آپس میں میل نہیں ہے اور عمارت میں دڑاریں آسکتی ہیں۔ پھر کچھ وقفہ آیا۔ چونکہ حضرتؒ کا کرم ہر دم ہمارے ساتھ تھا اور بھیا حضور اور ہم سب کی کوشش تھی کہ حضرتؒ کا مزار ایک شاہکار بنے، اس لئے ہر وہ شخص جو مزار کہ منصوبہ سے جڑا ہوا تھا، پوری لگن اور کوشش میں تھا کہ ڈیزائن کی بات آگے بڑھے۔ پھر کامل صاحب کی مشاورت سے ایک ڈیزائن بنایا گیا۔ جس میں پرانی عمارت کا کچھ حصہ نکال کر، نئی عمارت اس کے اوپر تعمیر کیے جانے کا سوچا گیا۔ جب اسکو فائنل کیا جارہا تھا تو پھر بہت سے مسائل سامنے آگئے۔ میں کامل صاحب کی ہمت کو داد دیتا ہوں کہ ہماری نام نہاد تکنیکی رائے کو بھی بہت اہمیت دیتے اور کتنی جگہ انہوں نے ڈیزائن میں تبدیلیاں ہمارے کہنے پہ کیں۔ بحرحال آخر میں یہ فیصلہ ہوا مزار شریف کی عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑے گا۔ پھر ایک وقفہ آیا، کچھ مالیاتی اور دوسرے مسائل حائل تھے، یہ خیال بھی آتا رہا کہ ہم پرانے مزار کو ہی سجا بنالیں، لیکن پھر خوب سے خوب تر کا جذبہ درمیان میں آجاتا۔

بڑا مشکل فیصلہ تھا پھر بھیا حضور سے مشاورت کی گئی اور آخر کار نئی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔ سب سے بڑی مشکل ایک بنی بنائی عمارت کو نکالنے کی تھی، ہم سب اسکو ہاتھ لگانے سے ڈر رہے تھے کیونکہ یہ بھی سب کی عقیدت سے تعمیر ہوئی تھی۔ لیکن حضرتؒ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا تھا ان کا ایسا کرم تھا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جس دن ہم یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ اب پرانے مزار کو ہی ٹھیک کرلیں گے اسکے اگلے ہی دن سارے انتظامات خود بخود جیسے مکمل ہو گئے، اور بھیا حضور نے فرمایا کہ اب ہم نیا مزار تعمیر کریں گے ۔سب لوگوں میں ایک نئی روح داخل ہوگئی اور ایک لازوال جوش و جذبہ زندہ ہو گیا جس سے جو بھی ہو پا رہا تھا وہ اس سے بڑھ کر کر رہا تھا۔

بحرحال ہر چیز فائنل کرلی گئی، مزار کی تعمیر کا باقاعدہ افتتاح بھیا حضور نے تاریخ 5 مئی 2018 کو

حضرت کے چھٹے عرس شریف کے موقع پر فرمایا۔ چونے کی چار ٹنکیاں بھی فوراً تعمیر کر لی گئیں جس میں تعمیراتی مال بنایا جانا تھا۔ تعمیرات کا آغاز بنیاد کے فرش کی تعمیر سے 28 اکتوبر 2018 کو ہوا۔

ہمیں بڑی اچھی تعمیراتی ٹیم ملی ہے۔ تقریباً 11 افراد جو مختلف امور تعمیرات میں مہارت رکھتے ہیں، وہ عظمت بھائی (ٹھیکیدار) کی نگرانی میں بڑی محنت اور جان فشانی سے کام کر رہے ہیں، یہ تمام لوگ پنجاب کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور وہیں سے کام کرنے آئے ہیں، انکے نام یہ ہیں:۔

ظفر بھائی (نگران اُمور تعمیرات)، اکرام مستری، اشرف مستری، وزیر مستری، منیر مستری، ندیم، نوید، عابد، یٰسین، سلیمان اور اکرام۔

مزار شریف مغلیہ اور سندھی فنِ تعمیر کا شاہکار ہے۔ مزار شریف کی تعمیر میں سیمنٹ اور لوہا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کامل صاحب نے روایتی تعمیراتی مواد استعمال کیا ہے، جس میں لال اینٹ اور اس کو جوڑنے کے لئے جو مصالحہ بنایا گیا ہے اس میں چونا، خاکہ (پتھر کا چورا)، سیپ، ماش کی دال اور گڑ شامل ہے۔ اور پلاستر میں پٹ سن استعمال کیا جاتا ہے۔ لال اینٹ اور چونے کی خاصیت یہ ہے کہ یہ صدیوں تک مضبوطی سے موسم کا مقابلہ کرتی ہے اور سیمنٹ کے مقابلے میں کہیں مضبوط ہوتی ہے۔ اسکی مثال مغلیہ زمانے کی عمارات میں دیکھی جاسکتی ہیں جو آج تک شان سے کھڑی ہوئی ہیں۔ اس مواد سے تعمیر کردہ عمارت گرمیوں میں کافی ٹھنڈی رہتی ہیں۔ یہ مزار کراچی میں اپنی طرز کی پہلی عمارت ہوگی جو اس نئے زمانے میں قدیم اور روایتی طرزِ تعمیر کا شاہکار ہوگی۔ مزار شریف کی تعمیر کے لیئے لال اینٹوں کا انتظام ملتان اور لاہور سے کیا گیا ہے، اس ضمن میں ہم لوگوں کا ملتان تا لاہور براستہ پاک پتن شریف جانا ہُوا جو کہ روحانی و دنیاوی اعتبار سے بھرپور تجربہ رہا۔

سب سے پہلے پرانے مزار کے نکالنے کی بعد چاروں طرف گہری کھدائی کی گئی اس کے بعد بنیاد کے فرش کی تعمیر شروع کی گئی فرش کی تعمیر میں چھوٹے اور بڑے سائز کا کنکریٹ چونا اور خاکہ استعمال کیا گیا۔ چار

حصوں میں بنایا گیا یہ فرش 21 دسمبر 2018 کو مکمل ہوا۔ اس کے بعد بنیاد کی تعمیر لال اینٹوں سے شروع کی گئی۔ اینٹوں کو جوڑنے کے لئے چونا، خاکہ، سیپ، ماش کی دال اور گڑ سے مصالحہ تیار کیا گیا۔ بنیاد کی تعمیر اینٹوں کو دورویا سیڑھیوں کے انداز میں جوڑ کر کی گئی ہے۔

ہمارے حضرتؒ کا مزار جس چبوترے پر تعمیر کیا جا رہا ہے وہ چھ پہل ہے یعنی اس کے چھ کونے ہیں۔ حضرت کے مزار میں داخل ہونے کے لئے چھ سیڑیاں ہیں اور زمین سے چبوترے کی بھی سات سیڑھیاں ہیں۔ چبوترے کی اونچائی زمین سے ۴ فٹ ہے پھر ۳ فٹ چڑھ کر مزار شریف کی عمارت شروع ہوتی ہے۔ مزار شریف کی عمارت کے ۱۲ پہل یعنی ۱۲ کونے ہیں۔ عمارت کی اونچائی زمین سے لے کر کلس تک تقریباً ۶۷ فٹ ہے۔ مزار کی عمارت کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ مزار شریف کا اندرونی ہال ہے۔ مزار شریف کے ہال کا رقبہ تقریبا ۳۰ فٹ ہے اور اونچائی ۴۰ فٹ ہے۔ اندرونی ہال میں چونے کا پلاستر کیا جائے گا۔ اسکے بعد فریسکو/ نقاشی کا کام اور خطاطی کا کام کیا جائے گا، اس کے علاوہ ہالا (سندھ) کی کاشی ٹائلز، پتھر اور سیرامک کی جالیوں سے مزار کے اندرونی ہال کو مزیّن کیا جائے گا۔ دوسرا حصہ مزار کے ہال کے اطراف ایک راہ دری ہے۔ ہال اور راہ دری کے درمیان ۲ دو دروازے اور ۱۰ دس مہرابیں ہیں۔

مزار کی بیرونی عمارت پر لال ٹائل اینٹیں، فیروزی کاشی ٹائلز کی بارڈر کے ساتھ لگائی جائیں گی۔ اسکے علاوہ گنبد اور دیواروں پر یہی ٹائلز لگائی جائیں گی۔ مزار شریف کا ایک بڑا گنبد ہوگا۔ اسکے اطراف میں 6 چھوٹے گنبد اور برجیاں تعمیر کی جائیں گی۔ مزار کی بیرونی عمارت پر بھی پتھر اور سیرامک کی جالیاں لگائی جائیں گی۔ تعویذ مبارک سنگِ مرمر سے تعمیر کیا جائے گا۔ باقی فرش پر پیلا پتھر استعمال کیا جائے گا۔

جب آپ لوگ یہ سطور پڑھ رہے ہونگے تو انشاء اللہ مزار شریف کا دوسرا مرحلہ شروع ہو چکا ہوگا اور محرابوں کی تعمیر کا کام ہو رہا ہوگا۔

ایک اور خاص بات کہ دربارِ اختیاریہ کے انتظامیہ کے تمام اراکین بھیا حضور کے زیرِ نگرانی اپنے اپنے حصے کی ذمہ داریوں کو بھرپور عقیدت اور لگن سے نبھا رہے ہیں۔ حضرت پیر و مرشدؒ تمام عقیدتمندوں سے ان کے حصے کی خدمت لے رہے ہیں، لیکن مزارِ مبارک کی تعمیر کے دوران کچھ پیر بھائی ایسے بھی ہیں ،جنہوں نے دن رات ایک کر کے اپنی ذاتی مصروفیات کو بالائے طاق رکھا اور دی گئی ذمے داریوں کو بھرپور انداز سے نبھایا۔ ان میں سرِ فہرست جمیل نیازی، جو دن رات تمام تعمیری کام کی نگرانی کر رہے ہیں ،کمال ناصر جو کے تکنیکی مشاورت کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ محمد سلیم اختیاری، بابر ذکی، محمد وصی، فاروق اختیاری، محمد فاروق شفیع، محمد اسلم صاحب (ملیر)، فہیم نیازی، طارق نیازی، کاشف نیازی، عاصم نیازی، آصف رئیس، شارق منصور اور طاہر شفیع۔ یہ تمام حضرات بلاشُبہ بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔ حضرت پیر و مرشدؒ ان تمام لوگوں کی اور تمام برادرانِ طریقت کی خدمات کو قبول فرمائیں۔

''تازہ ہوا بہار کی دل کا ملال لے گئی''

از شکیل اسلم (عزیز حامد مدنی)

رومی میاں سلمہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت قبلہؒ کے لئے جو پہلی منقبت لکھی اسکا مصرعہ حضرتؒ کے غلاموں کے دل کی آواز اور انکی ترجمانی کرتا ہے۔

میری نگاہ میں کعبہ ہیں اختیار حسینؒ

ہمارے پیرومرشد حق آگاہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیف نیازیؒ کامل درویش اور غیر معمولی شخصیت کے حامل تھے۔ آپؒ نے لاعلمی کے اندھیرے میں بھٹک رہی ہماری روحوں کے سامنے علمِ حقیقی کی شمع روشن کی۔ اپنی محبت میں آنے والے عقیدت مندوں کو اِس فانی دنیا کی اصلیت ذہن نشین کرا کر انہیں انسانی قالب کے سنہری موقعہ کی روحانی اہمیت بتائی اور ان کے دلوں میں مالکِ کُل کی سچی محبت پیدا کی۔ ہمارے حضرت صاحبؒ مشغولیتِ عرفان و آگہی، تزکیہ نفس، پابندی شریعت، پاسداری شریعت، ریاضت، خلقِ خدا کے ہدایت ورہنمائی اور فیض رسانی کی بدولت اکابرینِ صوفیہ اور قطبِ زمانہ میں شمار ہوں گے۔

تصوف کے حوالے سے متعدد کتب اور صوفیانہ شاعری پر مشتمل دیوان بھی آپؒ کی یادگار ہے۔ حضرت صاحبؒ اشارہ غیبی اور تائیدِ ایزدی کی تابناک مثال ہیں۔

حضرت صاحبؒ ذاتی زندگی میں بھرپور محبت اور شفقت، وضع داری اور بے نیازانہ انداز کا پیکر تھے۔ آپ کی دلآویز مسکراہٹ بڑھتے قدم روک دیتی اور حالت ایسی ہو جاتی کہ

مجیب قبلہ کے در پہ پڑا ہوں

رکوع وسجدہ میں ہوں یا کھڑا ہوں

مری ہستی گہر پاش عقیدت

قناعت و توکل آپؒ کے مزاج کا بنیادی وصف تھا۔ گفتگو دھیمے لہجہ میں اور پُر سوز و دلگداز اور گہری معنویت سے لبریز ہوتی۔ نستعلیق، خوش پوش، صاحبِ علم، صاحبِ ذوق، منکسر المزاج اور مطمئن شخصیت کے حامل ہمارے مرشد عزیز و اقارب، ملنے جلنے والوں میں انتہائی مقبول اور ہر کوئی آپؒ کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ آپؒ راہِ سلوک کے کامران مسافر تھے۔ بہت چھوٹی عمر میں ایک پختہ عزم کے ساتھ اس راہ پر چل نکلے

تھے۔ یہ ایک طویل سفر تھا، حصولِ علم اور پھر عمل کے ساتھ اسے ہم آہنگ کرتے جانے کا۔

نارتھ کراچی میں محمد شاہ قبرستان کا ایک ٹکڑا ایک ایسا ویرانہ تھا جہاں نہ آبادی تھی نہ زندگی کے آثار! چاروں اطراف ناہموار زمین خودرو و خاردار جھاڑیاں اور بس۔ یہ جگہ جماعتِ سالکین خانقاہ آغائیہؒ ،مرتضویہؒ ٹرسٹ کو الاٹ ہوگئی تا کہ یہاں دربار اختیاریہ تعمیر کیا جا سکے۔ اب وہی جگہ ہے جہاں زندگی ہی زندگی پر فضا اور پر سکون ماحول۔ یہاں اب ایسی زیارت گاہ تعمیر ہو چکی ہے جس کا فیض ہر خاص و عام کے لئے جاری ہے۔ یہ ایک صاحبِ تصرف بزرگ ہمارے مولانا و مرشدنا حضرت شاہ اختیار حسین کیف نیازیؒ کا مزار اقدس ہے جہاں آپؒ کے غلامان و دیگر انتہائی عقیدت و احترام سے حاضری دیتے اور دل کی مرادیں پاتے ہیں۔ حاضری دینے والوں کو احساس ہوتا ہے جیسے آپؒ خود سامنے تشریف فرما ہیں۔

یک چراغ است دریں محفل و از پرتو آں
ہر کی من نگرم انجمنِ ساختہ اند

(اس محفل میں ایک ہی چراغ ہے۔ میں جدھر دیکھتا ہوں اس چراغ کے پرتو سے انجمنیں بنی ہوئی ہیں)

موسم کتنا ہی سخت ہو، دن کا کوئی پہر ہو، مزار اقدس کے احاطہ میں داخل ہوتے ہی ایک خاص ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ دنیاوی فکریں، پریشانیاں، تکالیف، شکوے شکایات سے بھرے جذبات ہوں یا

مضمحل دل، حضرتؒ کے مزار پر نظر پڑتے ہی ایک لطیف احساس، ایک خوش کن جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ آنِ واحد میں بشاشت یہاں سے وہاں تک پھیل جاتی ہے، غم اس طرح تحلیل ہوتا ہے جیسے موسمِ سرما کی سنہری دھوپ ٹھنڈا اور درد کو لے جاتی ہے۔

یہ ان کا کرم ہے ہم غلام بھاری دل سے حاضر ہوتے ہیں اور مکمل سکونِ قلب کے ساتھ واپس ہوتے ہیں۔ عزیز حامد مدنی صاحب مرحوم کی ایک مشہور غزل کے مطلع کا مصرع اب سمجھ میں آتا ہے کہ تازہ ہوا کا جھونکا کیا ہوتا ہے اور وہ دل کا ملال کس طرح لے جاتا ہے۔

''یادگار لمحات ''حضرت صاحبؒ کے معمولات کی روشنی میں''

از رفیق اللہ انصاری

وقت اس قدر تیزی سے گذر رہا ہے کہ سال ختم ہونے پر احساس ہوتا ہے کہ یہ ابھی تو شروع ہوا تھا اور یوں تیزی سے کئی سال گذر جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہمارے پیرومرشد حق آگاہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی قدس سرہ العزیز کا وصال سنہ ۲۰۱۲ میں ہوا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سنہ ۲۰۱۹ کا چوتھا مہینہ بھی اختتام پذیر ہے۔ یعنی اب حضرتؒ کا ساتوں سالانہ عرس مبارک شان وشوکت، عقیدت اور احترام کے ساتھ ۲۷ اپریل ۲۰۱۹ء کو منعقد ہونے والا ہے۔ چنانچہ جوش وخروش سے عرس شریف کے لئے تیاریاں شروع ہوچکی ہیں۔

حسبِ سابق، اس سال بھی جناب عاصم میرزا سلّمہٗ تمام انتظامی امور کی دیکھ بھال، زیرسرپرستی پیرو مرشد وسجّادہ نشیں حضرت شاہ میرزا احسن نظامی مدظلّہ، فرمارہے ہیں۔ حضرت میرزا رومی میاں سلّمہٗ اللہ تعالیٰ خود بھی عرس مبارک میں شرکت فرمانے کینیڈا سے کراچی تشریف لارہے ہیں۔ عُرس مبارک کو مزید یادگار بنانے کے لیئے ہر سال مختصر مجلّہ ترتب دیا جاتا ہے، جس میں لوگ عقیدت کا اظہار اپنی تحریروں کے ذریعے کرتے ہیں، چنانچہ زیرِ نظر مضمون بھی اسی عقیدت کی ایک کڑی ہے۔

پیرومرشد حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیف نیازیؒ کی دیگر معمولات میں سے بالخصوص ایک یہ بھی تھی کہ آپؒ بزرگانِ دین خاص طور پر اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے اعراس وفاتحاؤں کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ ذیل میں اُن ماہانہ فاتحاؤں اور سالانہ اعراس کا ذکر کیا جارہا ہے، جن کا اہتمام حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ باقاعدگی سے فرماتے تھے۔

محرم الحرام ۲ تاریخ کی ماہانہ فاتحہ میں حضرت قبلہؒ، سیّدالشہداء حضرت امام عالی مقامؑ کی شہادت کے بارے میں مختصراً بیان ضرور فرماتے۔ آپؒ کا ارشاد تھا اس طرح ہر سال امام عالی مقام کا ذکر کرنے سے کچھ حضرات کا اعادہ اور نئے داخلِ سلسلہ حضرات کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ۸ محرم الحرام کو

گھر پر مجلس منعقد ہوتی جس میں عالم دین فضائل بیان کرتے۔ سلام کے بعد فاتحہ خوانی ہوتی۔ شروع زمانہ میں کھچڑا تقسیم ہوتا تھا۔ بعد میں حلیم پر فاتحہ ہونے لگی جو تبرکاً تقسیم کیا جاتا۔ کچھ سالوں پہلے سے حلیم تقسیم کے بجائے کھلایا جاتا ہے۔ حضرت قبلہؒ صحت کی بہتری تک ۹ محرم الحرام کو مولا بھائی مرحوم (ہجرت کے بعد مولا بھائی ہی نقیب الاولیاء تھے، جو ان موقعوں پر انتظامی اُمور سرانجام دیتے تھے۔) کے بھانجے کے بنائے ہوئے ''تعزیہ'' کی زیارت کے لئے سندھی ہوٹل، لیاقت آباد چند افراد کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ زیارت و فاتحہ کے بعد گھر واپس تشریف آجاتے۔

۱۰ محرم الحرام، یومِ عاشورہ کے موقع پر نمازِ ظہر کے بعد شربت و ''قبولی'' (چنے کی دال و چاول کی کھچڑی) پر فاتحہ دیتے پھر کھانا تناول فرماتے۔ قبولی حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے پکانے کی تاکید کی تھی اس کے بعد سے، ۱۰ محرم الحرام کو اعزاء و دیگر حضرات یہی پکاتے۔ حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ عاشورہ پر بہت افسردہ و غمگین ہوجاتے۔ آپؒ یکم تا دس محرم تک شربت پر روزانہ فاتحہ دیکر شہدائے کربلا کی ارواحِ مقدسات کو ثواب پہنچاتے۔ خانقاہ شریف (دربارِ اختیاریہ) کی تعمیر سے قبل تمام فاتحائیں اور اعراس دولت خانہ پر ہی منعقد ہوتے۔ اب زیادہ تر فاتحائیں و اعراس دربارِ اختیاریہ ہی میں منعقد ہوتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اب وہاں پیرومرشد حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیف نیازیؒ کا مزارِ مبارک ہے۔

صفر المظفر ___ اس ماہِ مبارک میں حضرت پیرومرشدؒ کے والدِ گرامی و پیرومرشد حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا مرتضیٰ حسینؒ کا عرس مبارک ۲ صفر المظفر کو منعقد ہوتا ہے۔ چنانچہ عرس مبارک سے پہلے جو فاتحہ ہوتی اس میں آپؒ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحبؒ کے بارے میں مختصر و جامع ذکر فرماتے۔ لہذا ۲۱ صفر المظفر عرس مبارک کے موقع پر آپؒ کے دولت کدہ پر عید کا سماں ہوتا۔ ۲۔ ڈھائی بجے دوپہر عرس کے انتظامات کے لئے داخلِ سلسلہ حضرات بھی تشریف لے آتے اور اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتے۔ ۴۔ ساڑھے ۴

بجے شام حضرت قبلہؒ استراحت فرمانے کے بعد تشریف لاتے۔ حاضرین قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے۔ آپؒ وہیں بیٹھ کر کام کا جائزہ لیتے۔ زیادہ تر آپؒ کتابوں کے اسٹال کے پاس ہی بیٹھے رہتے۔ حسبِ پروگرام قرآن خوانی اور سماع ہوتا۔ بعد فاتحہ طعام تبرک کا اہتمام ہوتا۔ حضرت قبلہؒ سب سے آخر میں عزیز و اقارب کے ساتھ طعام نوش فرماتے۔ دولت کدہ کو اس موقع پر برقی قمقموں سے خوبصورتی کے ساتھ سجایا جاتا۔ ماحول نور میں ڈوبا ہوا ہوتا۔ اک عجیب کیف و سرور ہوتا۔

ربیع الاوّل اس بابرکت و مقدس ماہ میں حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادتِ با سعادت ہوئی۔ آپ ﷺ کا ہر امتی عقیدت و احترام سے ۱۲ ربیع الاوّل کا استقبال دلی جذبہء ایمانی سے کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس ماہِ مبارک میں حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی سیّدہ افسر جہاں کا وصال ۱۱ ربیع الاوّل بروز جمعہ ہوا تھا۔ آپؒ کا مزار میوہ شاہ قبرستان میں ہے۔ اس لئے حضرت صاحب قبلہؒ ۱۱ ربیع الاوّل بعد عصر، مزار مبارک تشریف لے جاتے اور مغرب تک آپؒ دولت کدہ واپس آجاتے۔ ۱۳ ربیع الاوّل شب میں محفل میلاد منعقد ہوتی۔

بریلی شریف سے سرکارِ عالیؒ کو موئے مبارک آں حضرت ﷺ و موئے مبارک حضور غوث پاکؓ بطور خاص عطا ہوئے۔

حضرت صاحب قبلہؒ نے ۱۲ ربیع الاوّل بعد نمازِ عصر ''غسل موئے مبارک'' کی محفل منعقد کی۔ اِس محفل میں عزیزوں کے علاوہ چند داخلِ سلسلہ حضرات بطور منتظمین شرکت ہوتے۔ حضرت صاحب قبلہؒ اپنے دستِ مبارک سے عرقِ گلاب، دیگر خوشبوجات اور صندل کے برادہ کی مدد سے غسل موئے مبارک دیتے۔ بعد میں پرتکلف ''عصرانہ'' کا انتظام از خود ہو جاتا اور یوں اچھا خاصا دسترخوان بڑھتا گیا۔ نماز مغرب کے بعد سب رخصت ہو جاتے۔

۱۳ ربیع الاوّل محفلِ میلاد منعقد ہوتی جس میں اہلسنت والجماعت کے مقتدر عالم وعظ فرماتے۔ صلوۃ و

سلام کے بعد ''موئے مبارک'' کی عام زیارت کا اہتمام ہوتا۔ بعد فاتحہ خوانی وطعام تبرک ہوتا اور یوں بابرکت محفل اختتام پذیر ہوتی۔

ربیع الثانی اس ماہ ۱۷ تاریخ کو حضرت قطب ربانی محبوبِ سبحانی سیّد محی الدّین ابومحمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وسلطان المشائخ محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدّین محمد بخاری بدایونی رضی اللہ کی فاتحہ ایک ساتھ ہوتی ہے اس کو'' فاتحہ محبوبین'' کہتے ہیں۔ ہمارے سرکار عالیؒ ۱۳ تاریخ کی ماہانہ فاتحہ میں مذکورہ بالا اولیائے کرام کا ذکر مختصر طور پر تبرکاً فرماتے۔

اس فاتحہ میں پہلے محفل سماع ہوتی۔ پھر شجرہ تلاوت کئے جاتے۔ اس کے بعد فاتحہ خوانی ہوتی۔ پھر طعام تبرک۔

جمادی الاوّل اس ماہ میں کوئی بڑی فاتحہ نہیں ہوتی۔ البتہ ماہانہ فاتحائیں ۲ اور ۱۳ در دولت کدہ پر ہی ہوتیں۔

جمادی الثانی اس ماہ بانیٔ سلسلۂ نیازیہ، قطبِ عالم مدارِ اعظم مولانا ومرشدنا حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قادری، چشتی، بریلوی، علوی قدس سرہ العزیز کا عرس اقدس ۶ جمادی الثانی کو منعقد ہوتا ہے۔ حسبِ دستور حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ ۲ تاریخ کی ماہانہ فاتحہ میں

حضور نیاز بے نیازؒ کا ذکر، خاص طور پر سلسلہ قادریہ میں حضورؒ کو کس طرح بیعت ہوئی۔ نیز آپؒ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی غریب نوازؒ کی علمیت، عظمت اور باطنی کیفیت کا تذکرہ تفصیل سے فرماتے۔

اِس فاتحہ میں بھی پہلے محفلِ سماع ہوتی۔ فاتحہ میں بریلی شریف کے نسخۂ خاص کی بنی چائے پیش ہوتی۔ بعد میں مخصوص چائے کے ساتھ ساتھ طعام تبرک کا اہتمام بھی ہونے لگا۔

رجب المرجّب اس ماہ کی چھ تاریخ کو خواجۂ خواجگان ہندالولی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی فاتحہ وعرس ہوتا۔ اسی ماہ کی ۲ تاریخ کو حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ، حضور خواجہ غریب نوازؒ کے

بارے میں تفصیلی روشنی ڈالتے۔ ۶ تاریخ کو پہلے محفلِ سماع ہوتی پھر فاتحہ خوانی جس میں کافی عرصہ قبل دودھ کا شربت ہوتا پھر طعام تبرک کا اہتمام کیا جاتا۔ ۲۶ رجب المرجب سے پہلے شب معراج کی فضیلت اور معراج پر تشریف لے جانے سے متعلق باطنی رموز بیان فرماتے۔ شبِ معراج کی اہمیت اور نفلی عبادت کے متعلق بھی ذکر فرمادیتے۔ ۲۲ رجب المرجب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی فاتحہ ضرور دیتے۔

شعبان العظّم حضرت قبلہ سرکارِ عالی ۱۳ تاریخ کی فاتحہ میں ''شبِ برات'' کے بارے میں مدلّل بیان فرماتے۔ حلوہ پر فاتحہ دینے کو لازم قرار نہیں دیتے تھے۔ زیادہ وقت عبادت پر صرف کرنے پر زور دیتے تھے۔ شبِ برات کے موقع پر بالخصوص آتش بازی، پٹاخے اور پھل جھڑی وغیرہ کو ناپسند فرماتے۔ اس ماہ کوئی بڑی فاتحہ نہیں ہوتی تھی۔ لیکن حضرت قبلہؒ سے خصوصی اجازت حاصل کرنے کے بعد شعبان المعظم کی ۱۳ تاریخ کی فاتحہ کے بعد تبرکات کی زیارت کو اس تاریخ کے لئے مخصوص کردیا تھا۔ شعبان کا مہینہ اور تاریخ مقرر کرنے سے قبل سرکارؒ سے اجازت لے کر کسی ماہ میں جب بھی موقع ملتا زیارت کرادی جاتی۔ لیکن اب ان تبرکات کی زیارت حضرت قبلہؒ کے عرس مبارک اور سجادہ نشین حضرت میرزا حسن نظامی سلمہ اللہ تعالیٰ کی آمد پر کرائی جاتی ہے اس طرح عرس مبارک کے موقع پر زیادہ لوگوں کو زیارت کرنے کی سعادت حاصل ہوجاتی ہے۔

رمضان المبارک پیر و مرشد علیہ الرحمہ یکم رمضان المبارک کو تاج الاولیاء حضرت شاہ نظام الدین حسین قادری چشتی نیازی رحمتہ اللہ علیہ کی سالانہ فاتحہ عقیدت و احترام سے مناتے۔ جس میں آپؒ قورمہ پراٹھے کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ کیونکہ حضرت شاہ میرزا آغا محمدؒ اپنے مرشدِ گرامی حضور تاج الاولیاء کی پسند کا خیال کرتے ہوئے یہ چیزیں پکواتے۔ رمضان المبارک میں ۲، ۱۳ اور ۲۱ کی فاتحائیں افطار سے پہلے ہوتیں۔ نمازِ مغرب کے بعد کھانے کے لئے دسترخوان دوبارہ بچھایا جاتا۔ ۲۱ رمضان

المبارک شہادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ کے سلسلے میں فاتحہ سے قبل نعت ومنقبت خوانی ہوتی۔ باقی سب پروگرام کے مطابق ہوتا۔ کیونکہ تراویح کی ادائیگی کے لئے لوگ جلد چلے جاتے ہیں۔

شوال المکرّم شوال کا چاند ہونے کی تصدیق کے بعد آپؒ کے دولت خانہ کے قریب گلفشاں مسجد (جہاں آپؒ جمعۃ المبارک کی نماز ادا فرماتے تھے) میں نمازِ عید کے لئے وقت کی اطلاع تمام اعزاء و داخلِ سلسلہ حضرات کو دی جاتی تھی۔ شروع میں پاپیادہ سب کے ساتھ نمازِ عیدین کے لئے مسجد تشریف لے جاتے۔ نماز کے بعد کسی کے ساتھ گھر آجاتے۔ نماز کے بعد سب دوبارہ آپؒ کے دولت کدہ جمع ہوتے۔ وہاں سب کی پرتکلف تواضع ہوتی۔

حضرت قبلہ سرکار عالیؒ نے وصال سے قبل عید الفطر کے موقع پر گھر پہنچنے کے بعد اچانک فیازی برادران (نعت خواں) کو طلب کیا اور کہا کہ حضرت امیر خسروؒ کا یہ کلام سناؤ۔

؎ عیدگاہِ ماغریباں کوئے تو

انبساطِ عید دیدن روئے تو

تینوں بھائیوں نے باآوازِ بلند کلام پڑھنا شروع کیا۔ پھر جو حضرت قبلہؒ کو کیف آیا، ناقابل بیان تھا۔ آپؒ اشکبار تھے۔ آنسو مسلسل جاری تھے۔ تینوں بھائی، اشعار متعدد بار دہراتے رہے۔ بمشکل تمام کچھ دیر بعد آپؒ کا کیف کچھ کم ہوا۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نم نہ ہو۔ سب مؤدبانہ خاموش کھڑے تھے۔ حضرت قبلہؒ کا کیف ختم ہونے پر سب نے نذر و دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ یہ عید اور یہ لمحات ہمیشہ یاد رہیں گے۔

ذیقعدہ اس ماہ حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ کے جد امجد مولانا مرشدنا حضرت شاہ میرزا آغا محمد قدس سرہ العزیز کا عرس اقدس ۱۳ ذیقعدہ کو منعقد ہوتا۔ چنانچہ شروع کی تاریخ میں آپؒ، حضرت آغا صاحبؒ کے متعلق مفصل حالات بیان فرماتے۔ حضرت آغا صاحبؒ کا مزار مبارک جبلپور انڈیا میں ہے۔ لہذا عرس

میں شرکت کے لئے سرکارِ عالیؒ تین چار ماہ قبل ویزا کے حصول کے لئے کوششیں شروع کر دیتے اور جب تک آپ ؒ کا ویزا الگ کر نہیں آتا تھا آپ ؒ مضطرب و بے چین رہتے۔ انڈیا میں جبلپور کے علاوہ بمبئی، مچھ گواں اور کبھی پر یا بھی مختصر قیام فرماتے لیکن زیادہ تر جبل پور میں ہی رہنا پسند فرماتے۔ عرس کے سلسلے میں جبلپور تشریف لے جانے سے پہلے آپ ؒ کراچی میں ایک ہفتہ قبل حضرت آغا صاحب قبلہ ؒ کا عرس کر کے جاتے۔ اسی شان و شوکت سے کراچی میں بھی عرس منعقد ہوتا۔ دعوت نامے اعزاء، احباب و داخلِ سلسلہ حضرات کو جاری کر دیئے جاتے کچھ حضرات کو اطلاع بذریعہ ڈاک دی جاتی۔ پروگرام کی ترتیب بالکل ویسی ہوتی۔ جبل پور بھیجنے کے لئے چادر مبارک خوبصورت و دلکش تیار کروائی جاتی جسے محفلِ سماع کے دوران قوالی روک کر ''چادر'' جو حضرت قبلہ ؒ نے تحریر فرمائی تھی وہ پڑھی جاتی۔ چادر کے وقت تھوڑی دیر کے لئے آپ ؒ کو کیف آتا۔ چادر شریف کو شرکائے محفل میں گھمایا جاتا تا کہ سب حاضرین اس کو بوسہ دے سکیں، آنکھوں سے لگائیں اور سر پر رکھیں۔ اِس طرح اپنی عقیدت کا اظہار فرماتے۔ کیونکہ یہ چادر شریف ہم غلاموں کی طرف سے حقیر نذرانہ ہوتا جسے بعد میں حضرت آغا صاحب قبلہ ؒ کی مزارِ مبارک پر چڑھایا جاتا۔

ہندوستان میں قیام کے دوراں حضرت قبلہ سرکار عالیؒ کے دست حق پر بے شمار خواتین و حضرات بیعت کا شرف حاصل کرتے۔ زیادہ تر جبلپور کے گرد و نواح کے علاقے سے ہوتے۔ اس کے علاوہ بمبئی، دہلی، ناگپور، دموہ، پر یا اور مچھ گواں وغیرہ کے خواتین و حضرات ہوتے۔ جنھیں آپ ؒ تعلیم دینے کے بعد رخصت فرما دیتے۔ ہر سال آپ ؒ کے تشریف لے جانے سے سلسلہ کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ بالخصوص جبلپور کے مقامی اخبارات اور میڈیا پر عرس مبارک سے متعلق حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ کے بیانات، تصاویر، انٹرویوز اور خبریں نشر اور شائع ہوتیں۔ عرس اقدس چونکہ تین دن ہوتا اس لئے جبلپور شہر کی بالخصوص معزز شخصیات و دیگر نامور شخصیات و دیگر نامور ہستیاں آپ ؒ سے ملاقات کے لئے درگاہِ آغائیہ پر حاضر

ہوتیں، ملاقات کرتیں اور خصوصی دعا کی درخواست بھی کرتیں۔

ذوالحجہ۔ حضرت قبلہ سرکارِ عالیؒ نے ملازمت کے سلسلے میں ۱۲۔۱۳ سال سعودی عرب میں گذارے وہاں آپؒ نے کئی حج وعمرے ادا کئے جن کا اظہار آپؒ نے کبھی نہیں فرمایا۔ سعودی عرب سے مستقل آنے کے بعد آپؒ نے زیادہ تر تصنیف وتالیف پر توجہ فرمائی۔ آپؒ نے گیارہ معرکتہ آراء ونادر تالیفات تشنگانِ معرفت کے لئے تحریر فرمائیں جو ہمارے لئے عظیم سرمایہ ہے۔ اِس ماہ کی ۲ تاریخ کو آپؒ حج کے باطنی رموز پر روشنی ڈالتے اور قربانی کی اصل روح سے آگاہ فرماتے۔ نماز عیدالاضحیٰ کے لئے دولت کدہ کے قریب مسجدِ گلفشاں تشریف لے جاتے۔ بعد نماز دولت کدے پر سب دوبارہ جمع ہوتے۔ آپؒ کی شفقت وتصرف جاری رہتا۔ قربانی کی وجہ سے لوگ گھر جانے کی اجازت طلب کرتے انہیں آپؒ اجازت دیتے۔ قربانی کے لئے ''ذبیحہ'' حضرت قبلہؒ نے اپنے ہاتھوں سے نہیں فرمایا۔ آپؒ فرماتے تھے کہ'' معصوم جانور جس حالت میں ہوتا ہے اس کے گلے پر چھری پھیرنا میرے بس کی بات نہیں۔''

مذکورہ بالا تمام فاتحائیں اور اعراس حضرت قبلہ ڈاکٹر شاہ میرزا اِختیار حسین کیف نیازی قدس سرہ العزیز کے وصال کے بعد آج بھی اُسی عقیدت واحترام کے ساتھ شایانِ شان طریقے سے خانقاہِ آغائیہؒ مرتضویہؒ (دربارِ اختیاریہ) میں تزک واحتشام سے پیرومرشد

حضرت میرزا احسن نظامی عُرف رومی میاں سلمہٗ تعالیٰ کے زیرِ سرپرستی اور جناب عاصم میرزا سلمہٗ کی زیرِ نگرانی منعقد ہوتی ہیں، جہاں وابستگانِ سلسلہ کے علاوہ دیگر عقیدتمند خواتین و

حضرات بھی شرکت فرماتے ہیں اور روحانی اور قلبی فیض حاصل کرتے ہیں۔ آئندہ بھی یہ محافل اسی عقیدت واحترام کے ساتھ منعقد ہوتی رہیں گی، انشاءاللہ تعالیٰ۔

آباد رہے ساقی، دائم تیرا میخانہ۔

''ملفوظات مبارک حق آگاہ عارف باللہ مولانا ومرشدنا حضرت قبلہ ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیفؔ، نیازیؔ قدس سرہ العزیز''

از۔ سلیم اختیاری

(۱) مرشد ہمیشہ ساتھ ہیں:۔

خانقاہ نیازیہ آغا چوک رانی تال جبلپور کے احاطے میں مرکزی مقام پر سلطان العارفین مولانا ومرشدنا حضرت قبلہ ڈاکٹر شاہ میرزا مرتضیٰ حسین قدس سرہ العزیز کا بنوایا ہوا، ہمارے جدِ طریقت حضور قبلہ آغا صاحب قدس سرہ العزیز کا مزار مبارک ہے۔ اسی احاطے کے مغربی کونے میں حضرت صاحبؒ کے پیرو مرشد اور والد محترم کا روضہ ہے۔ حضرت صاحبؒ اپنے بزرگوں کا اعراس منانے ہر سال جبلپور، انڈیا تشریف لاتے تھے۔ ایسے ایک سال جنوری ۲۰۱۲ء کو آپؒ جبلپور تشریف لائے۔ شب جمعرات ۱۸ جنوری ۲۰۱۲ کو آپؒ خانقاہ کے مغربی بنے ہوئے وسیع وعریض سماع خانے میں تشریف فرما تھے۔ آپؒ کے صاحبزادے رومی میاں سلمہ تعالیٰ نے گذارش کی کہ:

قرآن پڑھنے جو بیٹھا عجیب بات ہوئی
ورق ورق پر چہرہ دکھائی دیتا ہے

اس شعر کی شان نزول کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ آپؒ نے ایک دلنواز مسکراہٹ سے ان پر نظر ڈالی اور پھر حاضرین کی طرف توجہ فرماتے ہوئے اپنے روحانی سفر کی روداد بیان فرمائی۔ آپؒ نے فرمایا کہ مقررہ وقت پر میں اپنے اشغال، اوراد اور وظائف روزانہ پڑھتا ہوں۔ ایک دن اسی طرح اپنے اشغال و وظائف پڑھنے کے بعد قرآن شریف کھولا تو اس ورق پر میرے پیرومرشد حضور قبلہ ڈاکٹر صاحبؒ کا چہرۂ انور نظر آیا۔ میں نے سوچا شاید میرا خیال ایک رنگین مرقع بن کر میری آنکھوں کو عید نظارہ دے رہا

ہے۔ دوسرا ورق پلٹا اس ورق پر بھی حضرت صاحبؒ کے چہرے کی ضیا پاشیاں تھیں۔ اس کے بعد تیسرا ورق کھولا تو اس پر بھی حضرت صاحبؒ جلوہ نما تھے۔ غرض کہ دوسرے اوراق دیکھے تو ان میں بھی حضرتؒ کی نورانیت تھی۔ بس اسی پس منظر میں، میں نے یہ شعر کہا۔

قرآن پڑھنے جو بیٹھا عجیب بات ہوئی
ورق ورق پر چہرہ دکھائی دیتا ہے

سماع خانے میں سکوت تھا یوں احساس ہو رہا تھا جیسے مولانا مرشدنا حضور قبلہ ڈاکٹر شاہ میرزا مرتضیٰ حسینؒ نشست پر تشریف فرما ہوں۔

(۲) استغراق فی الحق:۔

اسی نشست میں حضرت صاحبؒ نے فرمایا؛ 'غلامی کا مطلب ہے اپنے آپ کو مٹا دینا۔ اپنی انا کو ختم کرنا۔ شیخ کی رضا کو اپنا ایمان سمجھنا۔ یہاں تک کہ اپنے آپ سے نجات پانا۔ اپنے آپ کو شیخ سمجھنا، اسکی چال ڈھال، عادات و اطوار کو اپنانا، اس کو تصوف کی اصطلاح میں برزخ کہتے ہیں۔ بادشاہ بننے میں شان نہیں۔ ہمیں تو غلامی میں ہی اپنی سرفرازی نظر آتی ہے۔' پھر آپؒ نے فرمایا' ایک روز اپنے مرشدؒ کی یاد میں محو تھا، کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ میں نماز پڑھنے لگا۔ اس وقت ایک عجیب کیفیت سے دوچار ہوا، یوں لگا کسی گہرے سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔ مدہوشی کی سی کیفیت ہو گئی۔ سب کچھ بھول بیٹھا۔ نہ ہی ثناء، نہ تعوذ و تسمیہ، نہ سورہ فاتحہ پڑھی، کچھ پتہ نہیں چلا کتنی رکعات پڑھی، کتنا وقت گیا، ایک دم یادِ حق میں ڈوب گیا اور من و تو کا احساس ختم ہو گیا، سانسیں تھم گئیں۔ جب ہوشیار ہوا تو ایک انتہائی پر لطف کیفیت طاری تھی۔ ایک ایسی سرشاری تھی کہ اس وقت کے سرور و انبساط کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔' آپ نے فرمایا کہ یہ استغراق فی الحق تھا جو حضرت صاحبؒ (آپؒ اپنے مرشد کو ہمیشہ حضرت صاحب کہتے تھے اور انتہائی ادب و احترام سے سر جھکا لیتے تھے۔) کی عنایتِ خسروانہ کا نتیجہ تھا۔ یہی کیف و سرور اس شعر

میں ڈھل گیا۔

یہ کون سا مقام ہے نہ سجود ہے نہ قیام ہے یہاں سجدہ بھی حرام ہے کاش ایسا ہو سکے مجھے دیکھ کے کہیں لوگ سب شہِ مرتضٰی کا غلام ہے۔

آپؒ نے آگے فرمایا یہ پوری غزل ہے۔ یہ غزل دیوان میں نہیں ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اسے دیوان میں لکھ دیا ہے۔

(۳) شاعری کی شروعات:۔

اسی نشست میں آپؒ نے فرمایا حضورﷺ سے محبت کسی بھی مسلمان کے لئے خوش بختی کی دلیل ہے۔ اور ہمارے خاندانی پس منظر کو دیکھتے ہوئے حضورﷺ کی محبت، ایمان کا جز اور ساری تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ بغیر حضورﷺ کی محبت کے اس راہ میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت صاحبؒ (آپؒ کے پیر و مرشدؒ) نے ہمیں مرید بنایا اور اپنی محبت عطا فرمائی، نتیجۃً حضورﷺ کی محبت ہمارے دل میں سما گئی۔ قصہ یہ ہے کہ جس وقت میں نے بارگاہِ رسالتﷺ میں حاضری دی اور جو سرفرازی مجھے بخشی گئی، وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ افتخار مجھے حاصل ہے کہ حضورﷺ نے اپنے دیدار سے مجھ عاصی کو نوازا، جس کا کیف و سرور میرے دل و دماغ پر تھا۔ روضہ انور پر ہی ایسی کیفیت ہوگئی جس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔ اسی حالت میں اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کسی طرح ہوٹل پہنچا اور حضورﷺ کی یاد میں ڈوب گیا۔ صبح جب آنکھ کھلی کچھ الفاظ لبوں پر تھے۔ غور کیا تو مندرجہ ذیل شعر تھا۔

؎ رات پی تھی تمہاری آنکھوں سے
سارا عالم شراب ہے اب تک

یہ فرما کر آپؒ یادِ اللہ میں ڈوب گئے۔ ساری مجلس میں جیسے ایک سکوت طاری ہوگیا۔ یہ پوری غزل کیفیات کے نئے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۱۲۰ پر ہے۔

''کچھ قیمتی یادیں''

از۔ فخستہ احسن

میرے والد صاحب میرے پاس شارجہ ۲۰۰۴ میں آخری بار آئے تھے۔ وہ تصوّرِ شیخ پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ ایک دن بولے، ''بیٹا! تصورِ شیخ سے مرشد کا فیض جاری رہتا ہے، خواہ کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو۔ چاہے مرشد سو رہے ہوں یا بات کر رہے ہوں مگر ان کا فیض مریدوں کے لیئے جاری رہتا ہے کیونکہ وہ پاور ہاؤس کی مانند ہیں۔ ہر لمحہ ان کے چہرۂ انور کو زیادہ سے زیادہ جذب کرتے رہو اور شغل پڑھتے رہو۔ چہرۂ اقدس کو اللہ کا نور سمجھو۔ پیر و مرشد ہی سب کچھ ہیں، ان ہی کے دم سے ملے گا جو بھی ملے گا۔

دس جنوری ۲۰۰۴ کی بات مجھے یاد آرہی ہے۔ میری اس دن دبئی واپسی تھی۔ میں نے وہ سارا دن اپنے والد صاحب کے ساتھ گزارا تھا، وہ ان دنوں شدید علیل تھے۔ ہمارے حضرتؒ ان دنوں جبلپور جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ میں نے ابو سے اجازت مانگی کہ حضرتؒ سے ملاقات کر کے آجاؤں، اُنہوں نے آپؒ کی مصروفیت کا سوچتے ہوئے مجھے اجازت نہیں دی۔ کہنے لگے، ''بیٹا، تصور ہی زیارت ہے، وہاں سے بیٹھ کر کروگی وہ سامنے ہونگے، ہر جگہ سامنے ہیں۔ دینی و دنیاوی طور پر ان کو سامنے رکھنے میں اللہ کی وحدانیت حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔''

اُن کو اپنے مرشدِ گرامی سے جو عشق تھا، وہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ کرم دیکھئے، اُس سال ہمارے حضرت جبلپور نہ جا سکے اور یوں میرے والد صاحب کے جنازے میں ہمارے حضرتؒ کی موجودگی رہی، اور والد صاحب کی خواہش پوری ہوگئی۔

جب میں حضرتؒ سے بیعت ہوئی تو بیعت ہونے کے بعد حضرتؒ اپنے کمرے سے باہر تشریف لائے اور لاؤنج میں تشریف فرما ہوئے۔ میں بھی برابر میں بیٹھ گئی اور سورۂ آلِ عمران کی آیت (ترجمہ) ''اور وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ کا ذکر کرتے ہیں''، پڑھتے ہوئے آپؒ نے فرمایا،

''بیٹا! یہ ہے اپنا شغل۔''

ایک بار میں نے حضرتؒ سے سورۃ الکہف کی آیت ۲۸ (ترجمہ) '' روک رکھو اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ، جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔'' کے متعلق سوال کیا کہ کیا یہ آیت پیر و مرشد سے متعلق ہے ،ان کی فضیلت ظاہر کر رہی ہے، آپؒ نے جواب ارشاد کیا کہ اس آیت میں پیر و مرشد کی ہی طرف اشارہ ہے۔اس ترجمے پہ اگر غور کریں تو واقعی یہ خوبصورت بات نظر آتی ہے۔

”خواہش“

از۔ندیم انصاری

وہ ایک ہوا تھی۔خُدا نے اُسے دیگر ہواؤں کے ساتھ صدیوں پہلے تخلیق کیا تھا۔جب سے وہ وجود میں آئی ،ایک لمحے کے لیئے بھی کہیں ٹھہری نہ تھی۔کبھی اسے حکم ہوتا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چل پڑے۔کبھی کسی بستی میں تو کبھی کسی شہر میں۔کبھی سمندروں کے اُوپر،تو کبھی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر۔کبھی تپتے ریگستانوں میں تو کبھی لہلہاتے کھیتوں کے درمیان۔کبھی برفیلے میدانوں سے گزرنا تو کبھی ندی نالوں ،جھیلوں اور آبشاروں پر محوِ پرواز۔کسی سال اُسے حکم ملتا کہ ابرِ رحمت لے کر آسمان کی بُلندیوں پر پرواز کرے اور وقتِ مقررہ کسی زمین پر مینہ برسا دے۔کبھی اس سے کہا جاتا کہ سخت گرمی کے موسم میں لُو کے تھپیڑے بن کر کسی بستی پر قہر برپا کرے۔

وہ چل چل کر تھک چُکی تھی اور اب کہیں آرام کرنا چاہتی تھی۔پھر ایک دن اُسے خوشخبری ملی کہ اُس کی سُن لی گئی ہے اور اسے اس کے آخری سفر پر روانہ کر دیا جائے گا۔یہ جان کر وہ بہت خوش ہُوئی مگر ساتھ ہی تجسس بھی ہُوا،اس جگہ کے بارے میں، جہاں اُسے اپنا آخری سفر کرنا تھا دریائے راوی کے قریب بہت زرخیز زمین تھی۔صدیوں سے وہاں کے باسی دیگر فصلوں کے علاوہ زمین کے کچھ حصّے پر دیسی گُلاب اُگاتے تھے۔موسمِ بہار میں زمین کا وہ قطعہ گلاب سے مہک جاتا تھا اور میلوں تک اس کی خوشبُو پھیل جاتی۔وہاں کے لوگ اُن گلابوں کو بیچتے نہ تھے بلکہ اپنے استعمال میں لاتے۔اپنے گھروں میں گلاب کے پھولوں کے گلدستے رکھتے،عورتیں اُس کے گجرے اور ہار بنا کر پہنتیں۔کچھ اس کا عرق نکال کر استعمال کرتے۔ہر جمعرات ان گلابوں کو اپنے پیاروں کی قبروں پر ڈالتے۔الغرض ان دنوں ایسا لگتا گویا جنت کا کوئی ٹکڑا زمین پر آ گیا ہو۔

اس سال بہار کی آمد آمد تھی۔گلاب کے پودوں میں سُرخ کلیاں بس جیسے کھلنے کی منتظر تھیں۔ایک رات

کچھ پودوں نے آپس میں بات کرتے کرتے یہ کہا کہ ہم ہر سال موسمِ بہار میں لاتعداد پھول اس دنیا کو دیتے ہیں، جن کی خوشبو سے سب لُطف اُٹھاتے ہیں، کیوں نہ اس سال کچھ ایسا انتظام ہو جائے کہ ہمارے پھولوں کی خوشبو کسی طرح مدینہ جا پہنچے اور گنبدِ خضراء کی فضاؤں میں بس جائے۔ کچھ پودوں نے ہنس کر کہا کہ ایسا ناممکن ہے۔ مدینہ دریائے راوی سے ہزاروں مِیل کی دُوری پر ہے، ان گلابوں کی خوشبو وہاں تک نہیں پہنچ سکتی، وہ تو ہوا میں مل کر بکھر جاتی ہے۔ وہ گلاب کے پودے جنہوں نے یہ خواہش کی تھی اُس وقت تو چُپ ہو گئے مگر رات کے آخری پہر اُنہوں نے اپنے پرودگار کو دل کی گہرائیوں سے پکارا۔

صبح وہ منظر بڑا دیدنی تھا۔ زمین پر اُس جگہ لہلہاتے کھیتوں کے درمیان گُلاب کے بیشتر پودے اپنے سُرخ پھولوں سے بھرے ہُوئے تھے، جبکہ کچھ پودوں کے پھول بس کھلنے ہی والے تھے۔ جیسے ہی وہ کلیاں کھلیں اور پھولوں کی پنکھڑیاں گویا انگڑائیاں لے کر جاگیں، دُور کہیں سے دفعتاً ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اُن پھولوں کی خوشبو اپنے اندر سمو کر مغرب کی سمت تیزی سے چل پڑا۔ اُسے یہی حُکم ملا تھا کہ اپنے آخری سفر میں اُسے گلاب کے پھولوں کی خوشبو سمیٹ کر مدینہ پہنچنا ہے۔

اُس دن مدینہ میں کافی حبس تھا۔ لوگ گرمی کی شدّت سے کافی پریشان تھے۔ ظہر کی نماز تک آسمان بادلوں سے ڈھک چُکا تھا اور عصر سے پہلے بوندا باندی شروع ہو چُکی تھی۔ گرمی کا زور ٹُوٹ چکا تھا۔ ادھر امام صاحب نے عصر کی نیت باندھی ہی تھی کہ اچانک فضا گلاب کی خوشبو سے معطر ہو گئی، ہوا کا ایک جھونکا آیا اور گزر گیا!!!

''جامِ جمشید''

از۔توصیف انصاری

فارسی دیو مالائی قصوں میں ایک بادشاہ جمشید کا ذکر ملتا ہے جس کے پاس ایک ایسا پیمانہ موجود تھا جو غیبی معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ''آبِ حیات'' کا حامل بھی تھا۔ کسی بھی قاری کے لئے اس پیمانے میں دو ایسی خصوصیات تھیں جو اس کے مالک کو ناقابلِ تسخیر قوّت عطا کرتی تھیں۔ پہلی خصوصیت اس میں موجود آبِ حیات جو عمر جاودانی کا ضامن ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ اس پیمانہ سے مستقبل بینی کی جاسکتی تھی۔

حیاتِ ابدی حاصل کرنے کا خواب ہر نفسِ انسانی کو رہا ہے۔ انسان اس دنیا کو جو درحقیقت سرائے فانی کا درجہ رکھتی ہے، چھوڑنے کے تصور سے فرار چاہتا ہے۔ یہ ہر نفس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس عالمِ اسباب سے جتنا فیضیاب ہوسکتا ہے، ہو لے۔ اس خواہش کے پیچھے اس شخص کے دوسرے لوگوں سے روابط اور رشتہ داریاں اور دوسری جانب اسبابِ زندگی سے مستفید ہونے کی کوشش ہوتی ہے۔ معاشرتی حیوان ہونے کے ناطے دوسروں سے ربط ہونا اور رشتے داریاں بنانا انسان کی سرشت میں موجود ہے۔ وہ اپنی خوشی کو دوسروں کی خوشی سے مربوط کیے رکھتا ہے۔ وہ اپنے خاندان اور دوستوں میں خوش رہتا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں سے جڑا رہ کر زندہ رہنے کے احساس کو اجاگر کرتا ہے۔ دوسروں کو محبت دے کر وہ ان سے ملنے والی بدلہ کی محبت کو اپنی زندگی کا سرمایہ جانتا ہے۔ ہر گذرتے دن کے ساتھ یہ رشتے مضبوط ہوتے جاتے ہیں اور انسان ان زنجیروں میں جکڑ کر خود اپنے آپ کو مختلف جہتوں میں مختلف انداز کی محبتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ یہی زنجیریں اس کو دارِ فانی سے کوچ کرتے ہوئے سب سے زیادہ تکلیف دیتی ہیں۔ ہر رشتے کی اپنی خوبصورتی ہوتی ہے جو اس کو جکڑے رکھتی ہے۔

دوسری جانب وہ دنیا میں موجود ان اسباب سے بھی دل لگا بیٹھتا ہے، پر تعیش اندازِ زندگی اور راحتیں پہنچانے والے ماحول کو بھی چھوڑتے ہوئے گھبراتا ہے۔ اپنی ''میں'' کو اس دنیا کے لئے ضروری بلکہ مرکزی حیثیت میں دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اور انسان کی موت جوان تمام چیزوں اور راحتوں سے دور لے جارہی ہوتی ہے، اس سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے شکم مادر میں موجود بچہ کو باہر کی دنیا کا علم نہیں ہوتا لہٰذا پیدائش کا ڈر اس پر حاوی ہوتا ہے۔ حالانکہ پیدائش کے بعد کی دنیا ہی اس کو اصل دنیا معلوم ہوتی ہے جب وہ اس میں سانس لینا شروع کرتا ہے۔ اس طرح بعد از موت جس حالت میں انسان ہوگا وہ اس سے بھی خوف کھاتا ہے۔ اس ''نا معلوم کا خوف'' ہی اس کو جامِ جمشید کی دوسری بڑی خصوصیت کی طرف راغب کرتا نظر آتا ہے۔

مستقبل بینی ہمیشہ سے انسان کے لئے ایسا چیلنج رہا ہے جس پر عبور حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہوئے انسان نے کئی راستے اپنائے اور کئی غیر منطقی علوم کا سہارا بھی لیا ہے۔ دست شناسی، علمِ نجوم اور ان جیسے کئی علوم کا فروغ اِسی انسانی خواہش کا مرہونِ منت ہے۔ آنے والے وقت سے باخبر ہو کر اس کی تیاری یا کسی ان چاہے واقعہ سے بچاؤ کی تدبیر کرنا فطرتِ انسانی کا جزوِ لاینفک ہے۔ اس خواہش میں چھپی آنے والی زندگی کی فکر اور اس کی تیاری ہی دراصل انسان کا آج طے کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ مگر حقیقتِ حال کچھ یوں ہے کہ تیقن کی حدوں سے بہت پرے کی بھی آگہی سے علم کے دائرے میں آنے والی پیش بینی بھی انسان کی اس خواہش کی تکمیل کا باعث نہیں بن سکتی۔

اس شش و پنج میں مبتلا انسان کو اُمید کی ایک کرن ایسی بھی نظر آتی ہے، جو اس کو نہ صرف سہارا دیتی ہے بلکہ اس کو اس تذبذب کی کیفیت سے یکدم چھٹکارا بھی دلا دیتی ہے۔ بس یقین کی ڈور کا ایک سرا تھامنے کی دیر ہوتی ہے کہ عمر جاودانی اور پیش بینی کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اور وہ حل ہے۔۔ مرشد کی ذات!! طریقت کے تقریباً تمام سلاسل میں سالکینِ راہِ حق کو تعلیمات و تربیت کے ذریعے حق شناسی کی

منزل کی طرف سفر کرایا جاتا ہے۔ اسی سفر میں میرِ کارواں، مرشد کی ذات ہوتی ہے، جو خُود اس راہ پر نہ صرف سفر کر چکی ہوتی ہے بلکہ منزلِ مقصود تک رسائی اور راہ کی مشکلات سے بخوبی واقفیت ہی مرشد کی ذات کو راہبرِ کامل کے منصب پر فائز کرتی ہے۔ طریقت کے درجہ بہ درجہ طے ہوتی ہوئی منازل میں پہلے فنا فی الشیخ اس کے بعد فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ تک سالکین کی راہ نمائی کرتی ذاتِ مرشد اس مقام سے اگلے پڑاؤ یعنی بقا باللہ کی طرف راہ نمائی کرتی جامِ جمشید کی پہلی خصوصیت یعنی حیاتِ ابدی کی تکمیل کرتی دکھائی دیتی ہے۔ سالک ذاتِ حق میں فنا ہونے کے بعد بقا کی منزل پر پہنچ کر رسولِ اکرمؐ کی اُسوہ پر چلتے ہوئے دنیا سے کٹ نہیں جاتا بلکہ دنیا کے تمام اُمور انجام دیتے ہُوئے بھی فانی بالذات رہتا ہے۔ اور جب وہ ذاتِ پاک لافانی ہے تو فانی بالذات بھی ذات کے ساتھ باقی رہتا ہے۔

دوسری جانب جامِ جمشید کی اگلی خصوصیت جو سالک کو اپنی طرف کھینچتی ہے، وہ مستقبل کی فکر ہے۔ آئندہ آنے والے واقعات و حالات سے آگہی کی کوشش ہر انسان کرتا ہے، لیکن وہ شخص جو مرشد سے نتھی رہتا ہے، وہ مستقل بینی کی صلاحیت نہ بھی حاصل کر سکے، پر وہ فکرِ مستقبل سے ضرور آزاد ہو جاتا ہے، وہی فکرِ مستقبل، جس کی وجہ سے وہ مستقبل بینی کرنا چاہتا ہے۔

مرشد، سالک کو راہِ حق میں اس طرح مشغول کرتا ہے کہ سالک کا مقصدِ حیات حق تک رسائی اور حق شناسی ہو جاتا ہے۔ اس کے علم میں ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اسے حال کی طرف توجہ دینی ہے اور فنا فی الذات تک کے مراحل طے کرنے ہیں۔

فنا فی الذات کے بعد جب وہ باقی باللہ ہوتا ہے تو وہ وقت کے حصار سے آزاد اور مکاں کی قید سے بلند ہو چُکا ہوتا ہے۔ اس مقام پر ماضی، حال اور مستقبل، لایعنی اصطلاحات کی طرح لگنے لگتے ہیں۔ دورانِ سفر بھی سالک مستقبل کے اندیشوں سے بالاتر ہو چکا ہوتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے نفس کو اپنے مرشد کے ہاتھ بیچ دیا ہوتا ہے۔ پھر آگے جو بھی ہوتا ہے وہ عشق کے مراحل میں محبوب کی رضا میں راضی رہنے

کی کیفیت میں ہوتا ہے، چنانچہ سالک کی مستقبل کے بارے میں فکر ختم ہو کر محبوب کی طرف سے آنے والے کسی بھی غم یا خوشی کو محبوب کی عطا کی طرف دیکھنے میں بدل جاتی ہے۔

بغور دیکھا جائے تو مرشد کی ذات ہی سالک کے لیئے جامِ جمشید بلکہ اس سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ عرفانِ الٰہی اور حق آگاہی سے مزیّن ذاتِ مرشد وہ مشعلِ راہ ہوتی ہے جو نہ صرف منزل بلکہ نشانِ منزل بھی ہے۔

میرا ہے کام ہمراہ کارواں کے چلوں
کہاں ہے منزلِ مقصود راہنُما جانے

''وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم ''

از۔شیزاعاصم میرزا

مزارشریف کی تعمیر جاری ہےاوراس سلسلے میں اکثر وہاں حاضری بھی ہوتی ہے۔ایسے ہی ایک روز وہیں بیٹھے ہوئے تھے ۔کام ہورہا تھا۔ لال اینٹوں کی خوبصورت ترتیب سے بہت خوبصورت شکل نکلتی چلی آرہی تھی۔ بہترین اینٹوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تھی تو بلاشبہ ایک خاص ترتیب میں وہ بھی اپنا رنگ دکھارہی تھیں۔اسی اثناء میں میری نظر ایک طرف ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے ڈھیر پہ پڑی، جن کو ایک مزدورتواتر سے ہتھوڑی سے ضرب لگا کرچھوٹی چھوٹی ڈھیریوں میں تبدیل کرتا جارہا تھا۔ذہن میں فوراً ایک بات آئی کہ 'کوئی چیز بے کارنہیں ہوتی'

اس وقت میری سوچ کا زاویہ کسی اورطرف تھا۔اچانک سامنے ہی کھڑے آصف نے اُسی مزدور سے سوال کیا '' یہ بھی استعمال ہونگی؟''

اُس مزدور نے ایک بے نیازی سے جواب دیا، ''ہاں بھائی! یہاں کوئی چیز بیکارنہیں جاتی! '' یہ جملہ مجھے چونکا گیا، کیونکہ اتفاقاً بات ایک ہی تھی مگر شاید سوچ کا زاویہ الگ تھا!! بظاہراُن بےمصرف اینٹوں کو کُوٹ کرفرش کی بھرائی میں استعمال کیا جانا تھا،لیکن ''مرکز '' سے الگ تو وہ بھی نہیں تھیں!!! بس یہیں سے پھرسوچ کا دھارابہنا شروع ہوگیا۔

اس وقت جو بات ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ ہماری زندگی میں نشیب وفراز آتے رہتے ہیں، ہرطرح کی پریشانیوں سے سامنا بھی ہوتا ہے۔ ہماری تعلیم میں ایک بنیادی سبق ''راضی بہ رضا'' بھی ہے،یعنی جو مرشدکی رضاہے،اس پرسرِتسلیم خم۔مگران باتوں کو جانتے بُوجھتے بھی اکثر ہمارے ذہنوں میں یہی بات آتی ہے کہ یہ آزمائشیں ہمارے لیئے ہی کیوں؟ مرشدکی ناراضگی اوراپنی کم مائیگی کی طرف ذہن سوچنے لگ جاتا ہے۔تو بس اُن اینٹوں کوضربیں لگتے ہوئے یہی خیال آیا کہ اصل میں باقی تمام اینٹوں کے

ساتھ یہ اینٹیں بھی ٹھیکیدار کی نظر میں تھیں، بس وقت اور جگہ کا تعین الگ تھا۔ اسی طرح مرشد کی نظر تمام سالکین پر ہوتی ہے، اور یہ مرشد کی نظرِ کرم اور عطا ہی ہوتی ہے جو ایک طالب کو زندگی کے نشیب و فراز اور ٹوٹ پھوٹ سے گزار کر ''انا'' کا خاتمہ کر کے طریقت کی اگلی منازل کے سفر پہ گامزن کرتی ہے، یہی بے مائیگی سالک کے لیئے ایک لازوال دولت کا حصول بنتی ہے۔ اور اس دولتِ عشق کے سمندر میں ڈوبنا ہی عاشق کی معراج بن جاتی ہے۔

حضرت پیرومرشدؒ ''معرفت نامے'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

'' محبت کا کوئی اُصول نہیں ہوتا، کوئی طریقہ یا قانون نہیں ہوتا۔ دستِ طلب دراز رہے، یہی مانگنے کا طریقہ ہے، اور سچ پوچھو تو مانگنا کیا ہے

ہم مجسمِ طلب ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ ہماری طلب کیا ہے۔'' ایک اور جگہ آپؒ

فرماتے ہیں: ''تسلیم و رضا ہمارے ایمان کی بنیاد ہے اور ہمارے مشرب کی تو پوری عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہے۔''

جلے آشیاں تو یہ حکم ہے کہ میں دیکھوں، منہ سے نہ اُف کروں
ہے خوشی گران کی یہی سہی، جلے آشیاں تو جلا کرے۔

مرشد کی شان معشوقیت کی ہوتی ہے اور عاشق عجز و بندگی کا پیکر ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ تسلیم و رضا کے راستے پر چلتا ہے، اور یہی راستہ اسے حاصلِ زندگی یعنی معرفت کی دولت عطا کرتا ہے۔

بالکل اسی طرح Perfect اینٹیں سامنے لگی نظر آ رہی ہیں، مزار/ مرکز کا حصّہ بنی ہوئی ہیں، مگر اُن ٹوٹی ہوئی اینٹوں کو تو حقیقتاً ''مرکز'' کی ''گہرائی'' نصیب ہوئی ہے اور اس رنگ میں وہ بھی رنگی گئی ہیں۔

شیخ سعدی کا ایک قطعہ ہے:

'گِلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبِ بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بُوئے تو دلآویز تو مستم
بہ گفتا من گِلے ناچیز بودم
و لیکن مدتِ با گُل نشستم
جمالِ ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم۔'

ترجمہ: ایک دن حمام میں خوشبودار مٹی محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں پہنچی۔ میں نے اس مٹی سے پوچھا کہ تُو مُشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری خوشبو سے میں مست ہُوا جا رہا ہوں۔ اُس نے کہا، میں تو ناچیز مٹّی ہوں لیکن ایک مدت تک گُل کے ساتھ رہی ہوں، اس ہم نشین کے جمال نے مجھ پر اثر کیا ہے، ورنہ میں تو وہی خاک ہُوں۔

بظاہر زندگی کی ضربیں ہمیں مٹا رہی ہوتی ہیں، لیکن وہ مرشد کی نسبت و محبت سے ہمیں ''حقیقت'' سے ملا رہی ہوتی ہیں۔

؎ میں پا سکا ہُوں انھیں، جب میں مِٹ کے خاک ہُوا
میں بن رہا ہُوں، وہ جُوں جُوں مٹائے جاتے ہیں۔

”کہروا“

از۔محمد شریف اختیاری

کہروا موہے لے چل تُو جمنا کے پار

ہے جمنا کے پار موہے پی کا دوار

اُونچی اٹریا ہے پی کی ہمارے　　کیسے آؤں پاس تہارے

آوت ہے نہ موہے قرار

کہروا موہے لے چل تُو جمنا کے پار

کیسے سناؤں میں من کی بتیاں　　دھڑکن لاگت ہے موری چھتیاں

کیسے کہوں موہے تو سے ہے پیار

کہروا موہے لے چل تُو جمنا کے پار

ٹھانی ہے من میں، اُن سے ملوں گی　　بپتا ساری اپنی کہوں گی

آئے گا سُن کر، اُن کو پیار

کہروا موہے لے چل تُو جمنا کے پار

اب تو پیا موہے گروا لگالو　　چندن مکھڑا اپنا دکھادو

تھاڑی ہے عاصیؔ کب سے دوار

کہروا موہے لے چل تُو جمنا کے پار

Nawa-e-Sarosh

Compiled by

Honorable Meeraza Hasan Nizami

Second Edition

www.agharang.org